مبدؤ معاد

مصنف

امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ

مترجم

پیرزادہ محمد اقبال احمد فاروقی

تعارف

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید المرسلین، رسالہ ھذا امبد و معاد شریف حضرت مجدد الف ثانی سرہٗ کا شہرہ آفاق رسالہ ہے۔ جس میں اُنہوں نے اپنی تربیت سلوک کے آغاز کا ذکر کیا ہے۔ پیر طریقت کی شان رہبری کا ذکر کیا ہے۔ بعدازاں اپنے عروج اور اُس کے معاونین کرام کا ذکر کیا ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ اپنے مشائخ کبار کے از حد ممنون نظر آتے ہیں۔ یہ کردار راہ طریقت کے مسافروں کے لیے مشعل نور ہے۔ اس رسالے میں سیر الی اللہ، سیر فی اللہ اور سیر عن اللہ کے کمالات و فیوضات کی داستان بھی ہے۔ ولایت و نبوت کے کمالات کی تشریح بھی ہے۔ انفس و آفاق کے مشاہدے بھی دکھائی دیتے ہیں، قلب کے درجات کی کیفیت بھی دیدنی ہے۔ شیخ اور مرید کے تعلقات پر بھی مباحث ملتے ہیں، وجود باری کی معرفت کا حصول بھی شامل ہے۔ حضرت سراج الامہ سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ کا مقام بلند بھی واضح کیا گیا ہے، فرماتے ہیں۔

وہ بزرگوں کے بزرگ ترین امام ہیں، امام اجل ہیں، پیشوائے اکمل ہیں، ان کی بلندی شان کو بیان کرنے کے لیے میرے پاس الفاظ نہیں۔ وہ امام مالک، شافعی اور احمد بن حنبل سب سے زیادہ عالم اور متقی ہیں۔ ان کا مقام سب سے بلند تر ہے۔

اس رسالہ مبارکہ میں اولیا کرام کے ظاہر و باطن پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے، رویت باری تعالیٰ کی حقانیت پر بھی دلائل و معارف کا جہان آباد ہے، آخر میں حضور سید المرسلین ﷺ کے فضائل و مناقب محبت و اطاعت آپ کا محبوب موضوع ہے، حسب عادت اس پر بھی قلم اُٹھایا گیا ہے۔ اس میں حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ، کا بھی مقام خاص بیان کیا گیا ہے، دیگر سلاسل کے احوال بھی درج ہیں، غرض یہ مختصر سا رسالہ ہمہ جہت ہے، ایک کوزے میں دریا کی صورت موجزن ہے۔

فہرست

بسم اللہ الرحمن الرحیم

آغاز تربیت سلوک! جب مجھے (حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ السامی) راہ سلوک پر گامزن ہونے کا شوق پیدا ہوا تو اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے مجھے سلسلہ نقشبندیہ کے ایک کامل بزرگ (حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ) کی خدمت میں رسائی حاصل ہوئی آپ کی صحبت میں رہ کر مجھے سلوک نقشبندیہ اور اس سلسلہ عالیہ کے بزرگوں کے طریقہ پر چلنے کی تربیت ملی میں ایک عرصہ تک آپ کی صحبت میں رہا اور آپ کی توجہ و برکت سے خواجگان نقشبندیہ کا وہ جذبہ جو قیومیت کی صفت میں کمال سے پیدا ہوتا ہے حاصل ہوا نیز اندراج نہایت در بدائیت النہایہ فی البدایہ سے قدرے سیراب ہونے کا موقعہ ملا جب یہ جذبہ پختہ ہوگیا تو مجھے سلوک میں اطمینان حاصل ہوگیا۔ حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کی روحانی رہنمائی اور وساطت سے اس راہ کے تمام منازل طے ہوئے یعنی مجھے اس اسم تک رسائی حاصل ہوگئی جو میرا مربی یا پرورش کنندہ تھا یہاں پہنچ کر مجھے حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبند قدس سرہ کی روحانیت کی مدد سے قابلیت اولی کے درجہ تک رسائی حاصل ہوئی اسی مقام کو حقیقت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے تعبیر کیا جاتا ہے پھر سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی روحانی دستگیری نے سہارا دیا اور میں قابلیت اولی سے اگلے مقام پر پہنچا پھر وہاں سے آگے ایک اور بلند مقام تک رسائی ملی یہ مقام مفصل تھا اور پہلا مقام اس کا اجمال تھا یہ مقام اقطاب محمدیہ کو نصیب ہوتا ہے مجھے اس مقام پر ترقی اور قیام سید الانبیاء حضرت ختمی مرتبت ﷺ کی روحانی تربیت سے حاصل ہوا۔ اسی مقام پر پہنچتے وقت مجھے خواجہ علاؤالدین عطار قدس سرہ کی روحانیت نے بھی امداد بہم پہنچائی حضرت عطار خواجہ نقشبند قدس سرہ کے خلیفہ اور قطب ارشاد ہیں اقطاب کا منتہائے عروج اسی مقام تک ہوتا ہے اور دائرہ ظلیت بھی اسی مقام پر پہنچ کر ختم ہو جاتا ہے اس کے بعد خالص مقام فردیت اصل اور ظل کے اتصال کا مقام آتا ہے افراد میں سے بعض حضرات اس مقام پر پہنچتے ہیں بعض اقطاب بھی افراد کی صحبت کے ذریعہ اس مقام پر پہنچ جاتے

ہیں اور وہ اصلِ ظل آمیز کا مشاہدہ کر لیتے ہیں لیکن اصل خالص تک رسائی اور اصل خالص کا مشاہدہ کرنا صرف افراد ہی کو میسر ہے جو ان کا خصوصی امتیاز ہے۔

ذالک فضل الله یوتیه من یشاء والله ذو الفضل العظیم

مجھے قطب ارشاد کی خلعت سے نوازا گیا تھا اور مقام قطبیت سرور دین و دنیا علیہ الصلوات والتسلیمات المبارکات والتحیات النامیات کی نوازش خصوصی سے ملا تھا مجھے اس منصب پر صرف حضور علیہ ﷺ کی نگاہ لطف و کرم سے پہنچایا گیا تھا۔

کچھ عرصہ بعد اللہ کی عنایت کی مزید توجہ ہوئی اور مجھے اس مقام سے بھی فوقیت دی گئی اور مقام اصل ممتزج پر پہنچا دیا گیا یہاں آ کر فنا و بقا کی دولت میسر آئی جس طرح مجھے سابقہ مقامات سے اٹھا کر ان مقامات اصلی پر ترقی دے کر اصل الاصل کے بلند منصب پر فائز کیا گیا تھا اس منصب پر پہنچنے کے لئے مجھے حضرت شیخ غوث الاعظم جیلانی کی روحانیت نے بڑا سہارا دیا ان کی قوت تصرف نے ان تمام مقامات سے گذار کر اصل الاصل کے منصب پر پہنچایا پھر مجھے دنیا کی طرف واپس کر دیا گیا جس طرح مجھے مختلف مقامات پر فائز کرنے کے بعد ایک اہم کام کے لئے واپس بھیجا جاتا رہا ہے اگرچہ مقام فردیت پر فائز کرنے کے لئے مجھے سیدنا عبدالقادر جیلانی قدس سرہ السامی کی راہنمائی اور امداد میسر آئی تھی۔ مگر اس مقام کی نسبت کا سرمایہ اپنے والد مکرم مخدوم عبدالاحد قدس سرہ سے حاصل ہوا تھا۔ میرے والد ماجد کو یہ نسبت اپنے پیر و مرشد حضرت شاہ کمال کتھیلی قدس سرہ العزیز سے میسر آئی تھی۔

حضرت شاہ کمال کتھیلی بڑے بلند پایہ کے بزرگ اور جذبہ قومی کے مالک تھے ان کی کرامات اور خوارق بڑی مشہور ہیں ان دنوں مجھے ان مقامات اور نسبت کی اہمیت کا احساس نہیں تھا حضرت والد ماجد مجھے نوافل میں ان مقامات اور نسبت سے آگاہ فرمایا کرتے تھے یہ میری تربیت کا ایک انداز تھا جسے غیر محسوس طور پر میرے دل و دماغ پر مرتب کیا جاتا رہا میرے والد مکرم کو یہ طریق اور نسبت اپنے شیخ شیخ عبدالقدوس گنگوہی اور ان کے صاحبزادے شاہ رکن الدین قدس سرہما سے ملی تھی یہ دونوں بزرگ سلسلہ چشتیہ کے ممتاز شیوخ میں سے تھے۔

علمِ لدنی کا حصول مجھے حضرت خضر علی نبینا وعلیہ السلام کی روحانیت کے علم لدنی کے اسرار سے حاصل ہوئے تھے مگر یہ صورت حال اس وقت تک رہی جب تک مجھے مقام اقطاب نہیں ملا تھا۔ مگر جونہی مجھے مقام اقطاب پر بلندتر مقامات ملے اور اللہ تعالیٰ نے مجھے اعلیٰ ترین مناصب پر فائز کیا تو مجھے علم لدنی کا حصول اپنی ہی حقیقت سے ہونے لگا یعنی اکثر علوم اپنی ذات میں خود بخود اپنی ذات سے حاصل ہونے لگے۔ کسی غیر کے واسطے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔

مختلف سلاسل کے مشائخ کی تائید! مجھے نزول کے وقت جسے سیر عن اللہ باللہ کہا جاتا ہے دوسرے سلسلوں کے مشائخ کے مقامات پر بھی عبور حاصل ہوا ہر مقام پر میں نے بہت حصہ لیا ہر مقام پر ہر سلسلہ کے مشائخ میرے مددگار اور معاون رہے انہوں نے اپنی اپنی نسبتوں کے بہترین حصہ سے نوازا سب سے پہلے مجھے سلسلہ چشتیہ کے مقام پر عبور حاصل ہوا اور مجھے اس مقام پر بہت کچھ ملا ان مشائخ عظام میں سے خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کی روحانیت سے خصوصی حصہ ملا آپ نے بڑی امداد فرمائی سچی بات تو یہ ہے کہ آپ اس مقام کے مالک اور ممتاز منصب پر فائز ہیں چشتیہ کے بعد مجھے مقام اکابر وکبرویہ قدس اسرارہم سے گذرنا پڑا اگرچہ دونوں مقامات عروج کے اعتبار سے مساوی درجہ رکھتے ہیں لیکن یہ مقام جہاں جو مجھے نصیب ہوا تھا فوق سے نزول کرتے ہوئے اس عظیم الشان شاہراہ کے دائیں جانب پڑتا ہے مگر پہلا مقام اس شاہراہ (صراط مستقیم) کے بائیں جانب آتا ہے صراط مستقیم وہ راستہ ہے جہاں سے اقطاب ارشاد میں سے بعض اکابر اسی راستہ سے گذر کے مقام فردیت پر پہنچتے ہیں اور آخری منصب تک رسائی حاصل کرتے ہیں۔

افراد تنہا یعنی قطبیت کے بغیر اس راستہ سے گذرنا ناممکن ہے یہ مقام مقام صفات کہلاتا ہے اور وہ اس شاہراہ کے درمیان واقعہ ہے گویا یہ مقام ان دونوں مقامات کا برزخ ہے جہاں دونوں طرف سے فیوض وبرکات کے انوار پڑتے ہیں اس شاہراہ سے دوسری جانب بھی ایک مقام ہے جو صفات سے کم مناسبت رکھتا ہے۔

اکابر سہروردیہ کے مقامات! اس راہ پر چلتے چلتے مجھے سہروردیہ کے مقام پر بھی عبور حاصل ہوا اس سلسلہ کے رئیس اور بانی حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی قدس سرہ العزیز ہیں یہ راستہ اتباع سنت کے نور سے مزین ہے اور مشاہدہ فوق الفوق کی ضیاؤں سے درخشاں ہے یہاں عبادتیں رفیق منزل بنتی ہیں بعض سالک جو اس مقام پر نہیں پہنچ سکے نوافل کی عبادت میں مشغول و مطمئن ہیں انہیں اس منزل کے راہی اور سالک ہونے کی وجہ سے اس نورانی کرنوں کی روشنیوں سے نواز جاتا ہے عبادات نافلہ ہی اس مقام کے راستہ کا سامان ہے لوگ خواہ مبتدی ہوں یا منتہی ان منازل سے گذرنا پڑتا ہے یہ مقام بڑا عجیب و غریب ہے بڑا ہی الگ ہے جو انوار اس راستہ میں ملتے ہیں وہ دوسرے مقامات پر بہت کم نظر آتے ہیں اس مقام کے مشائخ حضور نبی کریم ﷺ کے سنت کی اتباع کی وجہ سے بڑے عظیم الشان مراتب پر فائز ہوتے ہیں اور بڑے ممتاز ہیں وہ دوسرے اولیاء کرام سے ممتاز اور بہتر ہیں ان حضرات کو اس مقام پر جو کچھ میسر ہوا ہے وہ دوسرے مقامات پر میسر نہیں ہوتا خواہ عروج کے اعتبار سے وہ مقامات اس مقام سے کہیں بلند ہی ہوں۔

اس کے بعد مجھے مقام جذبہ پر نزول نصیب ہوا اس مقام پر بے شمار جذبات کے مقامات شامل ہیں پھر اس مقام سے اوپر تو بہت سے مراتب حاصل ہوتے ہیں۔ان مراتب کی انتہا مقام قلب پر ہوتی ہے جو ایک حقیقت جامعہ ہے ارشاد تکمیل کا تعلق اسی مقام پر قرار پانے کا ہے مجھے اس مقام پر قیام کا موقعہ ملا اس سے پیشتر کہ مجھے اس مقام پر قیام و قرار ملے ایک عروج نصیب ہوا میں نے سایہ کی طرف اصل کو بھی پیچھے چھوڑ دیا مقام قلب پر عروج میں مجھے بے پناہ پختگی نصیب ہوئی۔

قطب الارشاد اور اس کا فیضان! قطب الارشاد فردیت کے کمالات کا بھی جامع ہوتا ہے یہ مقام بہت کم حضرات کو ملتا ہے۔صدیوں اور زمانوں کے بعد اس مقام پر ایک شخص متمکن ہوتا ہے دنیا کی تمام تاریکیاں اس کے نور سے چھٹ جاتی ہیں اور اس کے ظہور کے نور

سے منور ہو جاتی ہیں۔اس کا ارشاد ساری دنیا پر محیط ہوتا ہے۔عرش کے واہراہ سے لے کر زمین
کی گہرائیوں تک جس کسی کو ہدایت نصیب ہوتی ہے۔ایمان اور معرفت کی روشنی ملتی ہے قطب
الارشاد کے واسطے سے ملتی ہے اس کے واسطے کے بغیر کوئی شخص اس کمال تک رسائی نہیں پا سکتا
اس کا نور ایک بحر بیکراں ہے وہ ساری دنیا کو اپنے گھیرے میں لئے ہوئے ہے وہ دریائے منجمد
معلوم ہوتا ہے اس میں کوئی حرکت نظر نہیں آتی۔جو شخص قطب الارشاد کی طرف متوجہ ہوتا ہے یا
اخلاص رکھتا ہے یا قطب الارشاد خود کسی کی طرف توجہ دیتا ہے تو اس توجہ کے دوران اس طلب
گار کے دل میں ایک سوراخ پیدا ہو جاتا ہے دوسرے لفظوں میں اس کے دل کے دروازے
کھل جاتے ہیں وہ اپنے اخلاص اور طلب کی حقیقت سے اس بحر بیکراں سے اپنا حصہ لیتا جاتا
ہے اور اس دریا سے سیراب ہو جاتا ہے بعض بزرگ مقام قطب الارشاد سے واقف نہیں
ہوتے اور وہ اس کی طرف توجہ دینے سے قاصر ہوتے ہیں۔ان کی یہ بے توجہی یا محرومی کسی
انکار یا تکبر سے نہیں ہوتی۔بلکہ مقام قطب الارشاد سے ناواقفیت کی بنا پر ہوتی ہے اس بزرگ
کو بھی قطب الارشاد سے ایسے ہی حصہ ملتا ہے جس طرح باراں رحمت سے تمام مقامات
سیراب ہوتے رہتے ہیں۔یہ فیض یابی ان لوگوں کے لئے خصوصی ہوتی ہے جو مقام قطب
الارشاد سے واقف ہوتے ہوئے توجہ اور طلب فیضان کرتے رہتے ہیں

بعض لوگ قطب الارشاد کے مقام کے منکر ہوتے ہیں وہ اپنے عجب وتکبر کی وجہ
سے قطب الارشاد کو خاطر میں نہیں لاتے ایسے لوگ کتنے ہی ذکر الٰہی اور تقدس میں مشغول
رہیں رشد وہدایت کی حقیقت سے محروم رہتے ہیں خواہ قطب الارشاد ایسے بھی کوئی نقصان نہ
پہنچائے یا ارادہ نقصان بھی نہ کرے لیکن وہ شخص اپنے کردار کی وجہ سے رشد وہدایت سے محروم
رہتا ہے ظاہری طور پر اسے کچھ چیزیں میسر آ بھی جائیں مگر وہ رشد حقیقی سے یکسر خالی رہتا ہے

بزرگوں کا ایک طبقہ ایسا ہے جنہیں قطب الارشاد سے خلوص اور محبت ہے،قطب
ارشاد انہیں اپنی توجہ میں لے یا نہ لے ایسے بزرگ اپنے اس خلوص ومحبت کی بنا پر فیضان الٰہیہ
سے بہرہ ور ہوتے رہتے ہیں اور اس رشد وہدایت کے انوار ملتے رہتے ہیں۔والسلام علی

من اتبع الهدی۔

ذوق یافت! کارکنان قضاوقدر نے سب سے پہلے جو دروازہ کھولا وہ ذوق یافت کا تھا یافت کا نہیں تھا پھر ایک وقت آیا کہ یافت کی دولت میسر آئی اور ''ذوق یافت'' گم ہو گیا۔

یاد رہے کہ یہ دوسری حالت (ذوق یافت یا یافت کا گم ہونا) حالت کمال ہے اور اسی سے ولایت خاصہ کے درجات پر رسائی ہوتی ہے اور تیسرا مقام مقام التکمیل والرجوع الی خلق اللہ ہے پہلی حالت تو جذبہ کی وجہ سے ہوتی ہے لیکن اگر اس کے ساتھ سلوک بھی شامل ہو جائے تو وہ مکمل ہو جاتی ہے تو تیسری حالت حاصل ہو جاتی ہے لیکن وہ مجذوب جو سلوک سے عاری ہوتا ہے اسے دوسری اور تیسری حالت سے کچھ حصہ نہیں ملتا لہذا خود کامل بنانے والا وہ مجذوب ہے جو سالک بھی ہو۔ اسے ہی مجذوب سالک کہتے ہیں پھر وہ سالک مجذوب بھی ہوتا ہے مگر جو شخص محض سالک ہو یا محض مجذوب ہی ہو وہ نہ تو خود کامل ہوتا ہے نہ دوسروں کی تکمیل کر سکتا ہے ہمیں ایسے کوتاہ کاروں میں سے نہیں ہونا چاہیے۔ والصلواۃ والسلام علی خیر البشر سیدنا محمد و آلہ الاطہر

ماہ ربیع الاول کے آخری دنوں میں مجھے خانوادہ نقشبندیہ کے ایک ممتاز بزرگ (خواجہ باقی باللہ قدس سرہ) کی خدمت میں حاضر ہونے کی سعادت نصیب ہوئی اس سلسلہ نقشبندیہ کے خلفیہ اور مشائخ میں سے تھے آپ نے اپنے بزرگان سلسلہ کا طریقہ حاصل کرنے کے بعد نصف ماہ رجب کو مجھے نقشبندی طریقہ میں بیعت فرما کر حضور قلب کی سعادت بخشی آغاز میں انجام کی جلوہ فرمائی تھی آپ نے فرمایا نقشبندی نسبت دراصل حضور قلب کا ہی نام ہے آپ نے مجھے دس سال اور چند ماہ اپنی تربیت میں رکھا چنانچہ ماہ ذی قعد کے نصف آغاز میں وہ انتہا (نہایت) جو ابتدا (بدایت) ہی میں بے شمار ابتداؤں اور اوساط کے پردوں کے پیچھے سے جلوہ گر ہوئی تھی حجابات چاک کر کے دفعتاً جلوہ گر ہوئی مجھے یقین حاصل ہو گیا کہ آغاز (بدایت) میں جو تجلی نظر آتی تھی اوہ اسی الم کی صورت میں تھی جس کی حقیقت اب سامنے آئی

ہے وہ اسی پیکر کا ایک سایہ یا عکس تھا اسی ایک مسمی کا اسم تھا ان دونوں (ابتدا اور انتہا) میں بڑا فرق ہے حقیقتِ حال اسی مقام پر پہنچ کر معلوم ہوئی اور وہ مکہ سے اسرار یہاں آ کر منکشف ہوئے جس نے اس ذوق کو چکھا ہی نہیں اسے اندازہ نہیں ہوسکتا۔ من کم یذق کم یذر

اظہار نعمت! وَاَمَّا بِنِعمَۃِ رَبِّکَ فَحَدِّث! (اپنے پروردگار کی نعمتوں کا ذکر کرو) ایک دن میں اپنے خاص احباب کے حلقہ میں بیٹھا تھا کہ انہی کمزوریوں پر غور کر رہا تھا یہ غور و خوض مجھ پر اس قدر غالب ہوا کہ اپنے آپ کو درویشانہ وضع جس میں کامل مناسبت نہ تھی محسوس کرنے لگا اسی دوران میری اس خاکساری اور انکساری پر میرے اللہ کو ترس آ گیا اور مجھ خاک نشین کو بلند مرتبہ کر کے میرے باطن میں آواز آئی کہ میں نے تجھے بخش دیا قیامت تک ہونے والے ان تمام لوگوں کو بھی بخش دیا جو مجھ سے نسبت رکھتے ہیں۔ یہ نسبت خواہ بالواسطہ ہو یا بلاواسطہ ہو مجھے یہ آواز بار بار آتی رہی اور مجھے بار بار یقین دلایا جاتا رہا کہ مجھے کسی شک وشبہ کی گنجائش نہ رہے میں نے اللہ کی اس عنایت پر بے حد شکر ادا کیا۔ **الحمدللہ سبحانہ علی ذالک حمد کثیرا طیبا مبارکا فیہ مبارکا علیہ وسمحا یحب ربنا ویرضی والصلواۃ والسلام علی رسولہ سیدنا محمدو آلہ کما یحدی**

مجھے حکم دیا گیا کہ میں اس نعمت خداوندی کا افشا اور اظہار کرتا رہوں۔

اگر بادشہ بردر پیرزن ‏ ‏ ‏ ‏ بیاید۔ تو اے خواجہ باش مکن

سیر الی اللہ! خدا کی طرف سیر کرنے کا مطلب یہ ہے۔ کہ اسماء رالتعین میں سے اس اسم تک سیر کی جائے۔ جو اس سالک کا مبداء تعین ہے یعنی سالک کے متعلق فیصلہ کیا جاتا ہے کہ وہ حق تعالیٰ کی کونسی صفت میں سیر کرتا ہے۔

سیر فی اللہ! سیر فی اللہ سے مراد یہ ہے کہ اس اسم میں سیر کی جائے تو اس ذات احدیت کی بارگاہ تک منتہی ہو اس کی ذات اسماء صفات اور اعتبارات کے تصور سے پاک ومنزہ ہے۔ یہ وضاحت اس طرح آسان ہوگی کہ اسم مبارک ''اللہ'' سے ایسا مرتبہ وجوب لیا جائے جو تمام

اسماء وصفات کو جامع ہو اگر اسم مبارک سے مراد خدا تعالیٰ کی ذات محض لی جائے تو اس معنی سے ''سیر فی اللہ'' اور ''سیر الی اللہ'' ہی مراد ہوگی۔

سیر عن اللہ! سیر الی اللہ اور سیر فی اللہ سے بالکل علیحدہ سیر عن اللہ ہے جو سیر ذات محض میں ہے نہایت النہایۃ کے نقطہ میں اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ اس نقطہ پر پہنچنے کے بعد بلا کسی تردد کے سالک کو دنیا کی طرف آ جانا چاہیے۔ اسے سیر عن اللہ باللہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ ایک ایسی معرفت ہے جو نہایت النہایۃ کے مقام پر فائز حضرات کے ساتھ مخصوص ہے اولیاء اللہ میں میرے سوا کسی بزرگ نے اس خصوصی نقطے اور ممتاز معرفت پر گفتگو نہیں کی اللہ جسے چاہے اسے نوازتا ہے۔ والحمدللہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی سیدالمرسلین محمد و آلہ اجمعین۔

کمالات ولایت! کمالات ولایت میں مختلف بزرگان دین نے مختلف انداز میں پیش قدمی کی ہے بہت سے بزرگ ایسے ہوئے ہیں جنہیں ولایت میں صرف ایک ہی مقام یا درجہ تک رسائی حاصل ہوئی ہے۔ بعض ایسے بزرگ ہوتے ہیں جو صرف دو مقام تک رسائی حاصل کر سکے ہیں بعض تین تین کمالات کے مالک ہوتے ہیں اولیاء اللہ کا ایک طبقہ ایسا بھی ہے جنہیں چار کمالات تک نوازا گیا ہے۔ بعض گنے چنے اولیاء اللہ پانچ پانچ کمالات کی استعداد رکھتے ہیں مگر ایسے افراد کی تعداد بہت تھوڑی ہے ان پانچوں درجوں میں سے پہلے درجے کا تعلق تجلی افعال سے دوسرے درجہ کا تعلق تجلی صفات سے ہوتا ہے۔ آخری تین درجوں کا تعلق ذاتی تجلیات سے ہوتا ہے جس کے مختلف مدارج ہیں۔

میرے نزدیک زیادہ تر احباب مذکورہ درجات میں سے بعض درجات پر فائز ہیں چند احباب چوتھے درجہ پر بھی پہنچے ہیں مگر چند ایک ایسے بھی ہیں جو پانچویں درجہ پر فائز ہوئے ہیں یہ پانچواں درجہ ولایت کا آخری درجہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جن درجات سے مجھے نوازا ہے وہ پانچوں درجات سے بلند ہیں۔ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بعد آج تک

ان درجات کا ظہور نہیں ہوا یہ جذبہ سلوک کے کمالات سے بھی بلند تر مقام ہے اس کمال کا ظہور حضرت امام مہدی علیہ السلام پر ہوگا۔ والصلواۃ والسلام علی خیر البریۃ

نزول کا انتہائی کمال! نہایۃ النہایۃ تک پہنچ جانے والے لوگوں کو جب واپس آنا پڑتا ہے تو انہیں نہایت نچلے درجہ تک اترنا ہوتا ہے اور کمال کے آخری درجہ (نہایت النہایت) تک پہنچنا اس وقت مناسب ہوتا ہے جب اس کا نزول انتہائی نچلے درجہ تک ہو جائے۔ جب اس خصوصیت کے ساتھ رجوع واقع ہو تو صاحب رجوع اپنی پوری ذات کے ساتھ اسباب کی دنیا کی طرف متوجہ ہوتا ہے ایسا نہیں ہوتا کہ ایسی حالت میں کچھ حصہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو اور کچھ حصہ مخلوق کی طرف راغب رہے کیونکہ ایسا ہونے سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ ایسے شخص کو نہایۃ النہایۃ تک وصول حاصل ہی نہیں ہوا اسی طرح (غایۃ الغایۃ) انتہائی نچلے درجے کا نزول بھی نصیب نہیں ہو سکتا۔ زیادہ سے زیادہ ہوتا ہے کہ نماز پڑھتے وقت جو مومن کے لئے معراج ہے۔ صاحب رجوع لطائف کی توجہ بارگاہ الٰہی میں خشوع وخضوع اختیار کر لیتی ہے مگر نماز سے فارغ ہونے کے بعد پھر وہ دنیاوی امور میں دلچسپی لینے لگتا ہے ہاں فرائض و سنتیں ادا کرتے وقت چھ کے چھ لطائف بارگاہ خداوندی میں رہنے لگتے ہیں مگر نوافل کی ادائیگی کے دوران صرف ایک لطیفہ بارگاہ خداوندی میں متوجہ رہتا ہے۔ حدیث پاک میں لی مع اللہ وقت ۔ (میرے لئے اللہ کے قریب ایک وقت آتا ہے) کی برکات کی بدولت اسے وہ ذوق حاصل ہوتا رہتا ہے۔ نماز میں ایسی کیفیات کا قرینہ ایک اور حدیث میں بھی ملتا ہے۔ جعلت قرۃ عینی فی الصلواۃ (نماز تو میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے) اس حدیث کے قرینہ کے علاوہ کشف صحیح اور الہام صریح بھی اس کی تائید کرتے ہیں۔ مجھے اس معرفت سے خصوصی حصہ ملا ہے۔

حضرات مشائخ نے اس کیفیت کو جمع بین التوجہین قرار دیا ہے۔ والامر الی اللہ سبحانہ والسلام علی من اتبع الھدی والتزم متابعۃ المصطفی علیہ و آلہ الصلوات والتسلیمات اتمھا واکملھا۔

مشاہدہ انفس و آفاق مشائخ اور صوفیا کے بعد اہل اللہ کا مشاہدہ انفس (اپنی باتوں) میں ہوتا ہے وہ آفاقی مشاہدہ جو سیر الی اللہ کے دوران ہوتا ہے اس کا اعتبار نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ اس فقیر (مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ) پر ظاہر فرمایا ہے کہ جو مشاہدہ انفس میں ہوتا ہے وہ بھی اسی مشاہدہ کی طرح ہے جو آفاق میں ہوتا ہے معتبر نہیں کیونکہ ایسا مشاہدہ حق نہیں حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات بے مثل اور بے چگونہ ہے۔ آئینہ میں خواہ آفاق کا ہو یا انفس کا یہ گنجائش نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کا احاطہ کر سکے کیونکہ اللہ تعالیٰ نہ دنیا میں داخل ہے اور نہ ہی اسے دنیا سے خارج قرار دے سکتے ہیں۔ نہ وہ دنیا سے متصل ہے اور دنیائے شہود سے دور ہے۔ دنیا میں نہ تو اللہ تعالیٰ کی رویت (مشاہدہ) ممکن ہے اور نہ اسے عالم خارج قرار دیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح نہ اسے دنیا (دنیا کے مظاہر) سے جدا کیا جا سکتا ہے چنانچہ اہل اللہ کا یہ فیصلہ ہے کہ آخرت (قیامت) رویت خداوندی ہماری دنیاوی عقل وفکر میں محدود نہیں ہوگی یہ رویت بلا کیفیت ہوگی جو علق اور وہم کی حدود میں نہیں آ سکے گی قضا وقدر کے کارکنوں نے دنیا میں اس راز کو صرف خاص الخاص افراد پر ہی منکشف کیا ہے۔ اگرچہ ہم اسے رویت قرار نہیں دے سکتے مگر ہم اسے رویت مماثل قرار دے سکتے ہیں۔ یہ دولت ہے جو صحابہ کرام کے بعد شاید ہی کسی دوسرے شخص کو میسر آئی ہو۔ میرے نزدیک یہ سعادت صرف صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا حصہ تھی۔ میری رائے شائد بعض حضرات کو گراں گزرے اور بہت سے لوگ اسے قبول نہیں کریں گے مگر یہ اس نعمت عظمیٰ کے اظہار کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ خواہ کوتاہ اندیش اسے قبول کریں یا نہ کریں۔ یہ نسبت مستقبل میں حضرت امام مہدی (رضی اللہ عنہ) میں خصوصیت کے ساتھ ظاہر ہوگی۔ انشاء اللہ۔ **والسلام علی من اتبع الھدی والتزم متابعة المصطفیٰ صلوات اللہ تعالیٰ وتسلیماً علیه وعلی آله واصحابه اجمعین.**

سلوک کی ابتدا! جب کوئی طالب اپنے شیخ یا پیر و مرشد کی خدمت میں حاضر ہو تو اس کے لئے ضروری ہے کہ اسے سب سے پہلے استخارہ کرائے۔ یہ استخارہ تین سے سات بار کرایا جانا

چاہیے۔ استخاروں کے بعد اگر اس طالب کو کوئی تذبذب نہ ہو اسے آگے تربیت دینا ضروری کر دی جائے سب سے پہلے اسے توبہ کرائے توبہ پر قائم رہنے کی تعلیم دے اور دو رکعتیں نماز توبہ ادا کرنے کے لئے کہے۔ کیونکہ توبہ حاصل کیے بغیر اس راہ پر چلنا بے فائدہ ہے۔ ابتدائی طور پر اجمالی توبہ ہے تفصیلی توبہ آئندہ تربیت کے دوران کرائے۔ کیونکہ اس زمانہ میں لوگوں کی ہمتیں اور روحانی قوتیں کمزور پڑتی جارہی ہیں اگر آغاز میں ہی تفصیلی توبہ کا بوجھ ڈال دیا جائے تو بڑی مشکلات کا سامنا ہوگا ممکن ہے کہ ان مشکلات سے گھبرا کر طالب آگے نہ بڑھ سکے۔ اجمالی توبہ کے بعد آہستہ آہستہ طالب کو آگے بڑھنے کی تربیت دی جائے اور اس سلسلہ میں پوری توجہ کی ضرورت ہے راہ سلوک کے آداب وشرائط بتا دیے جائیں قرآن وسنت اور اسلاف کے عمل کی تعلیم دی جائے اور یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کرا دے کہ ان معاملات کی تکمیل کے بغیر آگے بڑھنا ممکن نہیں ہے۔ طالب کے ذہن کو اس بات پر آمادہ کر دینا چاہیے کہ قرآن وسنت کی اتباع کے بغیر مطلوب تک رسائی ناممکن ہے اور یہ بات ذہن نشین کرا دینی چاہیے کہ اس پیروی کے بغیر مطلوب تک رسائی ناممکن ہے اور یہ بات بھی واضح کر دی جائے کہ اس راستہ میں جتنے کشف یا اصول سامنے رکھیں گے اگر بال برابر بھی کتاب وسنت سے انحراف ہوا تو تمام کے تمام بے کار ہو کر رہ جائیں گے اگر کوئی ایسا مرحلہ پیش آئے تو استغفار اور توبہ کرائیں اور ساتھ ہی اسے یہ بات ذہن نشین کرا دیں کہ اپنا عقیدہ فرقہ ناجیہ اہلسنت و جماعت کی آرا کے مطابق درست کرے اور حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی فقہ پر کاربند رہے عقائد اہلسنت و جماعت کے اعمال میں کتاب وسنت کی پیروی کو لازمی قرار رہے یہ سلوک کی منزل کے دونوں بازو ہیں جن کی قوت سے پرواز ممکن ہے ان نظریات اور اعمال کے بعد اپنی غذا میں بڑی احتیاط کرے اگر طالب حرام یا مشتبہ غذا کھائے تو راہ سلوک میں دشواریاں پیدا ہوں گی۔ احتیاط کرے کہ جہاں سے جو کچھ مل گیا اس کی طرف ہاتھ نہ بڑھائے جب تک ایک چیز کی حلت یا جواز شریعت سے میسر نہ ہو اسے استعمال میں نہ لائے۔ تمام معاملات میں وما اتاکم الرسول فخذوہ وما نھٰکم عنه فانتھوا

(جو کچھ اللہ کا رسول عطا کرے اسے قبول کرو جس سے روک دے اسے ٹھکرا دو) کو اپنا نصب العین بنا لے۔

یاد رہے کہ طالبوں کی حالت میں دو مقامات ضرور آتے ہیں یا تو وہ اہل کشف ومعرفت کے زمرے میں ہوں گے یا ارباب جہالت اور حیرت کے طبقہ میں ہوں گے۔ اگر چہ سلوک کی منزلیں طے کر لینے کے بعد دونوں مقامات بہت پیچھے رہ جاتے ہیں اور ان کی حیثیت نہیں رہتی اور منزل پر پہنچنے کے بعد راستہ کی دشواریاں ختم ہو جاتی ہیں اس کی مثال یوں سامنے رکھیں کہ دو جماعتیں کعبۃ اللہ میں پہنچتی ہیں ایک جماعت راستہ کی ایک ایک دشواری ۔سفر کا ایک ایک لمحہ قافلوں کی تمام باتیں اسے یاد آتی ہیں دوسری جماعت ایسے ہے جو آنکھیں بند کئے راہ کی تکالیف کا احساس کیے بغیر منزل پر پہنچ جاتی ہے جو آنکھیں بند کیے راہ کی تکالیف کا احساس کیے بغیر منزل پر پہنچ جاتی ہے اور تفصیلات کو خاطر میں نہیں لاتی اب منزل مقصود پر پہنچنے کے بعد دونوں بامراد ہیں دونوں برابر ہیں کسی کو دوسرے پر برتری نہیں اگر چہ راستہ کی دشواریوں کو پہچاننے اور ان کے احساس کی کیفیات مختلف ہیں تاہم منزل مقصود پر پہنچنے کے بعد دونوں سابقہ مراحل کو بھول جانا (جہل) ضروری ہے اللہ کی معرفت حاصل کرنے کے بعد جہل ضروری ہے معرفت کی منزل میں اپنا علم تجربہ بے کار ہو کر رہ جاتے ہیں اللہ کی ذات میں معرفت حاصل کرنا بھی جہل اور معرفت سے عاجز ہونا ہے۔

راہ سلوک کی منزلیں! سلوک کی منزلیں طے کرتے وقت دس ایسے مقامات آتے ہیں جن سے گزرنا ضروری ہے تین مقامات تجلیات پر مشتمل ہیں۔ تجلی افعال۔ تجلی صفات اور تجلی ذات۔ مقام رضا کے علاوہ یہ تمام مقامات تجلی افعال اور تجلی صفات سے وابستہ ہیں صرف مقام رضا ہی ذات خدواندی اور محبت ذاتیہ سے وابستہ ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ خواہ محبوب کی طرف سے آرام پہنچے یا دکھ۔ شفقت ملے یا تکلیف محب کے لئے یکساں ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں رضا نصیب ہوتی ہے اور رضا ہی رضا ہوتی ہے۔ ناپسندیدگی ختم ہو جاتی ہے اسی

طرح تمام صفات میں کمال کی حد کو پہنچ جانا تجلی ذاتی کے حصول کے وقت ہی ممکن ہے کیونکہ مکمل ترین فنا اسی تجلی سے وابستہ ہے دوسرے نو مقامات تجلی افعال اور تجلی صفات ہی سے حاصل ہو جاتے ہیں۔

ہم اس کی یوں وضاحت کریں گے کہ سالک اپنے اوپر صفات الٰہیہ کا مشاہدہ کرتا ہے تو بے اختیار توبہ و انابت کی طرف رجوع کرتا ہے۔ ڈر اور خوف کھاتا ہے تقویٰ کو اپنا شعار بنالیتا ہے خدا کی تقدیرات پر صبر کرتا ہے۔ بے صبری اور ناتوانی سے چھٹکارا پالیتا ہے۔ چونکہ تمام نعمتوں کا مالک اسی کو سمجھتا ہے لامحالہ مقام شکر میں داخل ہو جاتا ہے توکل ثابت قدم ہو جاتا ہے جب اللہ تعالیٰ کی نرمی اور مہربانی ہوتی ہے تو امید (رجا) کے مقام میں داخل ہو جاتا ہے جب وہ اللہ تعالیٰ کی عظمت اور کبریائی کا مشاہدہ کرتا ہے تو اسے سارے جہاں کی ذلتیں پست نظر آتی ہیں اور یہ دنیا کی نگاہ میں ذلیل وخوار نظر آتی ہے اور اس طرح اس کی رغبت دنیا سے ہٹ جاتی ہے اور فقر اختیار کرتا ہے زہد و تقویٰ کا پیکر بن جاتا ہے۔ لیکن یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ یہ حالات صرف سالک مجذوب کے نصیب ہوتے ہیں ہر نو وارد ان مقامات کو نہیں پا سکتا۔ ہاں مجذوب سالک ان مقامات کو اجمالی طور پر پالیتا ہے کیونکہ عنایت ازلی کی کشش سے وہ ایسی محبت میں گرفتار ہو جاتا ہے۔ جو ان مقامات کی تفصیل سے اسے آگاہ کرنے لگتی ہے وہ محبت کے زیر سایہ ان مقامات کا لب لباب اور ان منازل کا خلاصہ مکمل کر لیتا ہے جو صاحب تفصیل کو بھی میسر نہیں ہوتا۔ **والسلام علی من اتبع الھدی**

نفسِ کل! طالب کے لئے ضروری ہے کہ وہ انفس و آفاق سے تعلق رکھنے والے تمام معبودان باطل کی نفی کا اہتمام کرے اور معبود حق کے اثبات کے بارے میں جو کچھ اس کے شعور اور خیال کے حوصلے میں آسکے اس کی نفی کرے اور صرف حق تعالیٰ کے موجود ہونے پر اکتفا کرے۔ اگرچہ اس مقام پر وجود کی بھی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ ذات حق کو وجود سے بالاتر تلاش کرنا چاہیے۔ علمائے اہلسنت نے بہت خوب کہا ہے کہ واجب تعالیٰ کا وجود اس کی ذات

سبحانہ وتعالیٰ پر زائد ہے۔ وجود کو عین ذات کہنا اور وجود سے پرے کسی دوسری بات کا اثبات نہ کرنا کوتاہی فکر ہے۔

شیخ علاؤالدولہ سمنانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ **فوق عالم الوجود عالم الملک الودود** (شہنشاہ ودود کی دنیا عالم وجود سے بھی اوپر ہے)

جن دنوں مجھے (مجدد الف ثانی قدس سرہ السامی) عالم وجود سے اوپر لیجایا گیا تھا تو میں کچھ عرصہ تک مغلوب الحال رہا۔ علم تقلیدی کی رو سے اپنے آپ کو اہل اسلام شمار کرتا رہا مختصر یہ کہ ذہن وشعور میں جو کچھ آ سکتا ہے وہ بھی بطریق اولیٰ ممکن ہی ہوگا۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ! سلوک کے دوران فنافی اللہ اور بقاباللہ سے ہی ممکن بھی واجب بن جاتا ہے اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ ایسا ہونا ناممکن نہیں۔ اس لئے تو حقائق الٹ جاتے ہیں لہذا جب ممکن واجب نہیں ہوسکتا تو ممکن کے حصہ میں اس کے سوا اور کیا ہے کہ وہ واجب تعالیٰ کے ادراک سے اپنے عجز اور درماندگی کا اعتراف کرلے۔

عنقا شکار کس نشود، دام باز چین

کہ اینجا ہمیشہ باد بدست دام را

(عنقا کسی کے جال میں نہیں آ سکتا۔ لہذا اپنا جال سمیٹ لو۔ یہاں تو دام میں ہمیشہ ہوا ہی آتی ہے یہ کسی کو اپنے اندر قید کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔)

بلند ہمتی کا تقاضا ہے کہ ذات حق سے طالب کو کچھ بھی ہاتھ نہ آئے اور ذات حق کا کوئی نام ونشان ظاہر نہ ہو۔ صوفیا کی ایک جماعت ایسی ہے جو یہاں ایک دوسرا مطلب لیتی ہے بعض لوگ ذات حق کو عین پاتے ہیں اور اس کے ساتھ قرب ومعیت پیدا کر لیتے ہیں۔

آں ایشانند و من چنیم یارب

حضرت خواجہ نقشبند کی شش جہات نگاہ! حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ تمام مشائخ کے آئینہ قلب کی صرف دو جہتیں ہوتی ہیں۔ لیکن میرے آئینہ قلب کی چھ

جہتیں ہیں۔ سلسلہ نقشبندیہ کے بانی کے اس کمال کو آج تک خانوادہ نقشبندیہ کے کسی بزرگ نے اس کلمہ قدسیہ کی تشریح اور توجیہہ نہیں فرمائی حتی کہ اشارہ کنایہ سے بھی اس موضوع پر اظہار خیال نہیں فرمایا۔ مجھ جیسے حقیر اور کم مایہ کو کیا حق پہنچتا ہے کہ اس نکتہ کی تشریح و توضیح کرے۔ اور اس کی وضاحت میں لب کشائی کرے لیکن مجھے اللہ نے محض اپنے فضل و کرم سے اس معمہ کے اسرار کو واقف فرمایا ہے اور اس کی حقیقت سے آگاہ فرمایا ہے لہذا دل میں خیال آتا ہے کہ اس نایاب موتی کو تحریر کی لڑی میں پرو کر قارئین کے سامنے لاؤں اور اس راز کو روح زبان پر لاکر واضح کروں۔ میں نے پہلے استخارہ کیا اور اللہ تعالیٰ سے استدعا کی ہے کہ وہ مجھے غلط بیانی سے محفوظ رکھے اور صحیح بیان کی توفیق دے۔

میں یہ بات واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ آئینہ سے مراد عارف الٰہی کا قلب ہے جو روح اور نفس کے درمیان برزخ کی حیثیت رکھتا ہے ان بزرگوں نے اس آئینہ قلب کی دو جہتیں جو روح اور نفس کو دیکھنے کے کام آتی ہیں ذکر کیا ہے لہذا مشائخ کو جب مقام قلب پر رسائی ہوتی ہے تو وہ ان پر اس کی دونوں جہتیں منکشف ہوتی ہیں اور ان دونوں مقامات کے علوم و معارف جنہیں قلب سے مناسبت ہوتی ہے منکشف ہوتے رہتے ہیں مگر حضرت خواجہ بہاوالدین نقشبند قدس سرہ اس کے برعکس خصوصی امتیاز کے مالک ہیں اس مقام پر چونکہ انتہا ابتدا میں مندرج ہوتی ہے لہذا اس طریقہ آئینہ قلب کی چھ جہتیں نمایاں ہو جاتی ہیں۔ کارکنان قضاوقدر سے سلسلہ نقشبندیہ اور طریقہ عالیہ کے اکابرین پر یہ بات منکشف کر دی ہے کہ چھ لطیفوں میں سے کچھ افراد انسانی کے مجموعے ہیں موجود اور ثابت ہیں۔ تمام کے تمام قلب کے اندر بھی موجود ہیں (یہ لطیفے نفس۔ قلب۔ روح۔ سر۔ خفی اور اخفیٰ ہیں) چھ جہتوں سے ہم انہیں چھ لطائف سے مراد لیتے ہیں۔ باقی مشائخ کی سیر تو ظاہر قلب پر ہوتی ہے اور حضرات سلسلہ نقشبندیہ کی سیر باطن قلب پر ہوتی ہے اور اس میں یہ حضرات قلب کے ابطن بطون (یعنی قلبی گہرائیوں کے بواطن) کے مقام پر پہنچ جاتی ہے۔ اور علوم و معارف کے چھ لطائف مقام قلب منعکس ہونے لگتے ہیں۔ جنہیں مقام قلب سے مناسبت ہوتی ہے۔ ہم حضرت خواجہ نقشبند

قدس سرہ کے مقام شش جہت کو انہی نکات سے واضح کر رہے ہیں۔

ان بزرگان سلسلہ نقشبندیہ کی برکات کی بدولت مجھے مزید بر مزید انکشافات بھی ہوئے ہیں اور تحقیق کے بعد تدقیق کا درجہ بھی حاصل ہوا ہے میں ایک رمز کو اشارتاً بیان کرنا مناسب جانتا ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ کی توفیق ہی انسان کو غلطیوں سے محفوظ رکھتی ہے۔

قلب کے پانچ درجات! یہ بات ذہن نشین کر لینے کے بعد کہ قلب چھ لطیفوں پر مشتمل ہوتا ہے اور اس طرح قلب کا قلب بھی چھ لطائف سے مزین ہوتا ہے لیکن قلب کے قلب میں دائرہ کی تنگ دامانی کی وجہ سے یا بعض دوسرے اسرار سے ان چھ لطائف میں سے دو لطیفے جزئی طریق پر ظاہر نہیں ہوتے ان میں سے ایک لطیفہ نفس ہے اور دوسرا لطیفہ اخفیٰ ہے۔

یہ حال اس قلب کا ہوتا ہے جو تیسرے درجہ پر ہوتا ہے مگر اس میں لطیفہ خفی بھی ظاہر نہیں ہوتا اور یہ کیفیت اس قلب کی بھی ہے جو چوتھے مرتبہ پر ہوتا ہے مگر اس میں لطیفہ سر بھی ظاہر نہیں ہوتا۔ باوجودیکہ لطیفہ قلب اور لطیفہ روح اس میں ظاہر ہوتا ہے اور پانچویں مرتبہ لطیفہ روح بھی ظاہر نہیں ہوتا اور صرف قلب محض باقی رہ جاتا ہے جو بالکلیہ بسیط ہوتا ہے اس میں قطعاً کسی دوسری چیز کا اعتبار نہیں ہوتا۔

ہمارے نزدیک بعض معارف عالیہ کو معلوم کر لینا اس لئے ضروری ہے تاکہ ان معارف کی روشنی میں نہایت النہایت اور غایۃ الغایت تک پہنچا جاسکے میں اللہ کی عطا کردہ توفیق سے کہتا ہوں کہ جو کچھ عالم کبیر میں تفصیلاً ظاہر ہوتا ہے وہ عالم صغیر میں اجمالاً ظاہر ہوتا ہے۔ عالم صغیر سے مراد انسان ہے لہذا جب عالم صغیر کا رنگ دور کر کے اسے منور کر دیا جاتا ہے (یعنی انسان کی اصلاح کر کے اس کے قلب و روح کو روشن کر دیا جاتا ہے) تو اس میں وہ تمام چیزیں آئینے کی طرح جھلکنے لگتی ہیں۔ جو عالم کبیر میں پائی جاتی ہیں۔ انسان کا رنگ دور ہونے اور منور ہو جانے سے اس کے قلب و روح میں وسعت آجاتی ہے اور اس کی آلائشیں اور کوتاہیاں دور ہو جاتی ہیں یہی حال قلب کا ہے اس کی نسبت عالم صغیر کے ساتھ اسی طرح

ہے۔جس طرح عالم صغیر کی عالم کبیر کے ساتھ ہے۔یعنی اجمال وتفصیل کی نسبت جب عالم اصغر جو عالم قلب کا ہی نام ہے۔ صیقل (روشن) ہو جاتا ہے تو اس پر چھائی ہوئی ظلمت اور تاریکی دور ہو جاتی ہے پھر اس آئینہ کے اندر بھی وہ چیز منعکس ہونے لگتی ہے جو عالم صغیر میں تفصیلاً پائی جاتی ہے یہی معاملہ قلب کے ساتھ قلب کی نسبت سے ہے قلب میں اجمال ہے قلب قلب میں تفصیل ہے۔ان تفصیلات کا ظہور اس اجمال میں ہونے لگتا ہے حالانکہ وہ خود مجمل ہوتا ہے

تیسرے مقام پر مرتبہ قلب اور چوتھے مقام پر مرتبہ قلب اجمال وتفصیل پر قیاس کیا جاسکتا ہے۔ یہ مراتب مختلف مدارج پر رونما ہوتے جاتے ہیں ان قلبوں کی کیفیت اسی پیمانہ پر قیاس کرنا چاہیے پانچویں مرتبہ میں جس قلب کا قیام ہے وہ تمام نُورانیات اور صفائیوں کا درجہ اتم ہوتا ہے اس پر تمام عالم واضح ہوتے ہیں وہ بسیط ہونے کے باوجود اس میں کسی چیز کا اعتبار نہیں ہوتا کامل تصفیہ کے بعد وہ تمام چیزیں جو دوسرے عالموں میں موجود ہیں منعکس ہوتی ہیں عالم کبیر، عالم اصغر غرضیکہ تمام عالم اس کی حدود قیود میں ہوتے ہیں ۔لہذا پانچواں قلب تنگ ہونے کے باوجود وسیع تر بھی ہوتا ہے۔ بسیط ہونے کے باوجود وسیع تر بھی ہے۔قلیل ہونے کے باوجود کثیر بھی ہے۔

یاد رہے اللہ تعالیٰ نے دنیا کی کوئی چیز اتنی لطیف پیدا نہیں کی جتنا قلب ہے اور اس عجیب وغریب لطیفہ کے مقابلے میں دنیا کی کوئی ایسی چیز نہیں بنائی گئی جو اپنے خالق اور صانع کے ساتھ اتنی قریب نسبت رکھتی ہو چنانچہ اس مقام پر اپنے خالق اور صانع کی وہ عجیب وغریب نشانیاں ظہور پذیر ہوئی ہیں جو دوسری کسی مخلوق سے ظاہر نہیں ہوتیں ایک حدیث قدسی میں یہ مضمون آتا ہے۔

لیسعنی ارضی ولاسمائی ولکن یسعنی قلب عبدی المومن

(نہ میں زمین میں سما سکتا ہوں نہ آسمانوں کی وسعتیں مجھے سما سکتی ہیں لیکن میں اپنے بندہ مومن کے دل میں سما جاتا ہوں)

عالم کبیر! عالم کبیر اگرچہ ظہور کے اعتبار سے آئینوں میں سب سے زیادہ وسیع ہے لیکن اتنی کثرت اور تفصیل کی وجہ سے اسے ذات باری تعالیٰ سے کوئی نسبت نہیں اس ذات کے لائق صرف وہی چیز ہو سکتی ہے جو تنگ ہونے کے باوجود وسیع تر ہو۔ بسیط ہونے کے باوجود بڑی وسعت پذیر ہو۔ قلیل ہونے کے باوجود کثیر تر ہو۔ جب کوئی عارف جس کی معرفت مکمل تر اور جس کا حضور (شہود) کامل تر تھا۔ اس مقام پر پہنچتا ہے جس کا وجود نادر ہے اور مرتبہ کے لحاظ سے شریف تر ہے تو ایسا عارف تمام جہانوں اور تمام ظہورات کا قلب بن جاتا ہے ایسا شخص ہی ولایت محمدیہ کا حقدار ہوتا ہے۔ اور دعوات مصطفویہ کے ساتھ مشرف ہوتا ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم تسلیما

اقطاب واوتاد کا مقام! جس ہستی کا ہم نے ذکر کیا ہے وہ اتنی بلند ترین ہوتی ہے کہ تمام اقطاب۔ اوتاد اور ابدال اس کے دائرہ ولایت میں آتے ہیں۔ افراد۔ احاد اور اولیاء کے تمام طبقے اسی کے انوار ہدایت سے مستنیر ہوتے ہیں وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولایت کا نائب ہوتا ہے۔ یہ وہ نسبت شریف اور عزیز ہے جو بہت نادر اور کمیاب ہے۔ یہ مقام مرادین میں سے کسی کو نصیب ہوتا ہے۔ اس مقام پر صرف مرادین پہنچتے ہیں۔ مریدین کا کوئی حصہ نہیں ہوتا۔ یہی مقام ''مقام عظمیٰ'' ہے یہی مقام غایۃ اولیٰ ہے۔ اس سے بڑھ کر نہ کوئی منصب ہے۔ نہ بلندی ہے اس کے آگے نہ کوئی مقام کمال ہے اور نہ کوئی منصب اکرام ہے اگر آپ کو صدیوں بعد ایسا عارف کامل مل جائے تو یہ غنیمت جانو۔ اس کی برکات طویل عرصہ اور صدیوں تک جاری رہتی ہیں وہ عارف کامل ہوتا ہے جس کی گفتگو امراض کی دوا ہے جس کی نگاہ شفا ہوتی ہے۔ حضرت مہدی رضی اللہ عنہ امت محمدیہ کے اسی مقام پر فائز ہوں گے اور وہ اس نسبت مخصوصہ کی ساری عظمتیں لے کر آئیں گے

ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء

اس نعمت عظمیٰ کا حصول طریق سلوک اور جذبہ تفصیل سے وابستہ ہے۔ فنا اور بقا کے

تمام مقامات درجہ بدرجہ حاصل ہوتے ہیں۔ یہ مقام سید المرسلین ﷺ کی اتباع کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا۔ الحمدلله الذی جعلنا مقابعیه والمسئول من الله سبحانه کما المتابعته والثبات علیه الاستقامة علی شریعته ویرحم الله عبداً آمین ثم آمین.

یہ ہیں وہ اسرار اور مخفی رموز جن پر آج تک اکابر اولیاء کرام میں سے کسی نے بھی لب کشائی نہیں فرمائی اور بزرگ ترین حضرات نے بھی اس موضوع پر اظہار خیال نہیں فرمایا اللہ تعالیٰ نے اپنے اس ناچیز بندے (مجدد الف ثانی قدس سرہ السامی) کو اپنے خاص فضل وکرم سے ان خفیہ اسرار کے اظہار کے لئے فرمایا۔ کسی شاعر نے کیا خوب فرمایا ہے۔

اگر بادشاہ بہر در پیرزن
بباید تواے خواجہ سبت مکن

ترجمہ! اگر بڑھیا کے در پہ آئے سلطان۔ تو اے خواجہ نہ ہو ہرگز پریشان)

اگر بادشاہ کسی عاجز بڑھیا کے دروازے پر کرم فرمائی کرتے ہوئے چلا آئے تو آپ لوگوں کو اس کرم نوازی اور ذرہ نوازی پر تعجب نہیں کرنا چاہیے اللہ تعالیٰ کی قبولیت کسی علت کے ساتھ وابستہ نہیں کسی تعصب یا وجہ کی پابند نہیں وہ جو چاہے کرتا ہے جسے چاہے نوازتا ہے وہ جسے چاہے اپنی رحمت میں مخصوص کر لیتا ہے وہ بڑے فضل وکرم والا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمتیں نازل ہوں ہمارے آقا ومولا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر۔ آپ کی اولاد پر۔ اس کی برکتیں نازل ہوں۔ آپ پر۔ آپ کی اولاد پر۔ آپ کے اصحاب پر۔ ملائکہ مقربین پر اللہ کے نیک بندوں پر۔

روح کیا ہے؟ روح دنیائے بے کیف سے تعلق رکھتی ہے لامکان ہی اس کا مقام ہے۔ اگرچہ روح کی بے کیفی اللہ تعالیٰ کے مرتبہ وجوب کی نسبت سے عین کی کیفیت ہے اور اس کی لامکانیت لامکانی حقیقی (اللہ تعالیٰ) کی نسبت سے عین مکانیت ہے۔ دوسرے لفظوں میں ہم

یوں کہہ سکتے ہیں کہ عالم ارواح اس دنیا و مرتبہ بے چونی (بے کیف) کے درمیان برزخ ہے اور مرتبہ بے کیفی کی طرف نظر کی جائے تو عین چوں (عین کیف) نظر آتا ہے یہ برزخیت اسے اپنی اصل فطرت کے اعتبار سے حاصل ہے۔

روح جب بدن عنصر (جسم) میں مقید ہوتا ہے تو اس کے ایک ڈھانچے میں گرفتار ہو جاتا ہے تو وہ برزخیت سے نکل کر دنیائے کیف میں اتر آتی ہے۔

بے کیفی کا رنگ اس سے پوشیدہ ہو جاتا ہے اس کی حالت ہاروت و ماروت کی طرح بعض مصلحتوں کی بنا پر ارواح ملائکہ بشریت کی پستیوں میں نیچے اتر آتی ہے ہمارے مورخین اور مفسرین نے اس واقعہ پر تفصیلی گفتگو فرمائی ہے۔

اگر اللہ تعالیٰ کی دستگیری شامل حال ہو جائے اور اس سفر سے واپسی نصیب ہو جائے اور قید سے آزاد ہو کر بستی سے عروج کرنے لگے تو نفس ظلمانی اور بدن عنصری کو بھی اس کے طفیل عروج نصیب ہو جاتا ہے۔ اور وہ بھی منازل سے جو کچھ مقصود ہے وہ ظاہر ہونے لگتے ہے۔ اس سلسلہ میں روح کے متعلق اور اس کے تنزل سے جو کچھ مقصود ہے وہ ظاہر ہونے لگتا ہے نفس امارہ مطمئن ہونے لگتا ہے۔ تاریکی نورانیت سے بدلنے لگتی ہے جب روح اس سفر کو مکمل کر لیتی ہے تو اسے اس کو اپنے انجام تک پہنچائے گی۔ اور اپنی اصلی برزخیت تک پہنچ جائے گی اور اس طرح اپنی ہدایت (نقطہ انجام) کو حاصل کرے گی۔ لہذا وہ بھی برزخیت ہی میں مقام پذیر ہوگا۔

نفس مطمئنہ! نفس مطمئنہ پر عالم امر کا ایک رنگ چڑھا ہوا ہے اس لئے وہ قلب و بدن کے درمیان ایک بررزخ ہے وہ بھی اس جگہ قیام پذیر ہوگا۔ لیکن بدن عنصری جو چار عناصر سے مرکب ہے وہ عالم کون و مکان میں قرار پائے گا اور اطاعت و عبادت میں مشغول ہو جائے گا۔ اس کے بعد اگر کوئی سرکشی ہوگی تو تمام عناصر کی پستیوں کی طرف منسوب ہوگی مثلاً آتش جو اپنی فطرت عادت کی وجہ سے سرکش اور مخالفت پر رہتی ہے۔ ابلیس لعین کی زبان میں انا خیر منہ (میں اس سے بہتر ہوں) کی طرح صدا بلند کرے گی۔ نفس مطمئنہ تو سرکشی سے باز رہتا ہے وہ

اللہ کی رضا پر راضی ہوتا ہے وہ سرکشی کا تصور بھی نہیں کرتا۔ اگر سرکشی ہوسکتی ہے تو قالب سے ہوسکتی ہے نفس مطمئنہ سے نہیں سرکارِ دو عالم ﷺ نے غالباً اسی ابلیسی سرکشی کی وجہ سے اس سے جہاد کرنے کو جہاد اکبر قرار دیا ہے آپ نے جو یہ فرمایا ہے اسلم شیطانی (میں نے اپنے شیطان کو مسلمان کرلیا ہے) مراد آفاقی شیطان ہے جو حضور کے قرین بن گیا تھا لیکن جہاد اکبر والی حدیث سے مراد شیطان انفسی ہے اگرچہ شیطان کا زور توڑ دیا گیا تھا۔ اور اپنی جبلی سرکشی سے باز آ گیا تھا لیکن چونکہ اس کی جہالت میں سرکشی تھی اس لئے کبھی خطرہ لاحق ہونے کا احتمال تھا اس لئے حضور ﷺ نے اسلم شیطانی (میرا شیطان مسلمان ہوگیا) سے انفسی شیطان ہی مراد لیا ہے اس کے مسلمان ہونے کے باوجود اس کی جبلت اور فطرت نہیں بدلی مسلمان ہونے کے بعد وہ عزیمت چھوڑ کر رخصت پر عمل کرے تو پھر بھی درست ہے اگر اس سے گناہ صغیرہ سرزد ہو بھی جائے تو اس کی بھی گنجائش ہے کیونکہ نیک لوگوں کی نیکی مقربان بارگاہ کی برائی سے تعبیر کی جاتی ہے اس کا اپنی سرکشی سے توبہ استغفار پشیمانی انکساری پر آ جانا بے انتہا ترقی کا باعث بن جاتا ہے جب بدن عنصری اپنے مقام پر قرار پالیتا ہے تو لطائف ستہ سے جدا ہونے اور اس کے عالم امر میں ترقی کرنے کے بعد دنیا میں خلیفہ اللہ کہلانا اسی بدن وقالب کا حق ہے اور ان سب کے کام اسی کو کرنے پڑیں گے اس کے بعد اگر الہام ہوتا ہے تو اسی گوشت کے ٹکڑے (مضغہ) پر ہوتا ہے جو حقیقت جامعہ قلبیہ کا خلیفہ ہے اور جو حدیث نبوی میں وارد ہوتا ہے۔

حدیث شریف میں آیا جس کا ترجمہ یوں ہے۔

''جو شخص چالیس روز خالص اللہ کے لئے وقف کر دیتا ہے تو حکمت و دانائی کے چشمے اس کے قلب سے نکل کر اس کی زبان سے ظاہر ہونے لگتے ہیں حدیث شریف میں گوشت کا یہ ٹکڑا دل یا زبان ہے۔''

ایک اور حدیث میں آیا ہے ''کہ میرے دل پر ہلکا سا غبار طاری کر دیا جاتا ہے۔'' یہ غبار حضور کی ذات اقدس یا روح پر نہیں ہوتا بلکہ اسی گوشت کے ٹکڑے پر آتا ہے کیونکہ وہ قلب مہبط انوار الٰہیہ تو کلیۃً غبار سے آزاد ہو چکی ہے ایک اور حدیث میں قلب کی تبدیلی کا بھی ذکر

ہے فرمایا۔

قلب المومن بین اصبعین من اصابع الرحمن۔ (مومن کا قلب رحمٰن کی انگلیوں میں سے دوانگلیوں کے درمیان ہے) پھر ایک اور حدیث میں ارشاد ہوا ہے کہ مومن کا قلب پرندے کے ایک پر کی طرح ہے جو کسی جنگل میں پڑا ہوا ہو۔ ایک اور جگہ فرمایا۔ اللھم یا مقلب القلوب ثبت قلبی علی طاعتک (اے دلوں کو پلٹنے والے میرے دل کو اپنی فرمانبرداری میں قائم رکھ) ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دل کا تبدیل ہونا پلٹنا اسی گوشت کے ٹکڑے سے مراد ہے نہ کوئی اور چیز ہے کیونکہ آپ کا قلب حقیقی تو بلاشبہ مطمئن (مطمئنہ) تھا بلکہ آپ کا نفس بھی مطمئن (نفس مطمئنہ) تھا۔ یہ آپ کے قلب حقیقی کی نگرانی اور سیاست کی وجہ سے مطیع ومنقاد تھا۔

صاحب عوارف المعارف کا ایک نکتہ! حضرت خواجہ شہاب الدین سہروردی قدس سرہ نے عوارف المعارف میں لکھا ہے کہ الہام نفس مطمئنہ کی صفت ہے جس نے قلب کے مقام پر عروج کیا ہے اس وقت نفس کی تمام تبدیلیاں اور رنگ آمیزیاں نفس مطمئنہ کی بدولت ہوتی ہیں۔ ہمارے نزدیک صاحب عوارف المعارف کا یہ قول احادیث نبویہ کے خلاف ہے اگر حضرت خواجہ شہاب الدین سہروردی قدس سرہ کو اس مقام پر خود عروج ہوتا تو اس مقام کی حقیقت حال کو بیان فرمانے میں کامیاب ہوجاتے اور جو کچھ میں نے بیان کیا ہے وہ اسکی صداقت کو پالیتے اور اسی حقیقت میں کشف والہام نفس مطمئنہ کی بجائے حضور سرور کائنات ﷺ کی احادیث کے مطابق ہوتے۔ آپ اگر میری گزارشات پر غور کریں تو گوشت کا یہ ٹکڑا (قلب کی حقیقت کا حصہ) خلیفہ ہوتا اور خود اس پر الہام وارد ہوتے ہیں اور یہی صاحب احوال وتلونیات ہوجاتا ہے۔ یہ باتیں اگرچہ جاہل، متعصب اور حقیقت سے ناآشنا حضرات پر ناگوار گزرتی ہیں لیکن صداقت کو بیان کرنا میری ذمہ داری ہے اہل بصیرت ذرا غور فرمائیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے۔ ان فی جسدبنی آدم لمضغته اذا صلحت صلح الجسد کله واذا فسدت فسد الجسد کله . (بے شک انسانی بدن میں

گوشت کا ایک ایسا ٹکڑا ہے جو تندرست ہو تو تمام کا تمام بدن تندرست رہتا ہے لیکن جب وہ بیمار ہو جائے تو سارے کا سارا بدن خراب ہو جاتا ہے) یہ مضغہ یا گوشت کا ٹکڑا قلب ہی ہے۔

سید الانبیا ﷺ نے اسی قلب یا گوشت کے ٹکڑے کو جسم کی درستگی اور خرابی کا منبع بتایا ہے لہٰذا جو کچھ قلب حقیقی کے لئے درست ہے وہی اس گوشت کے ٹکڑے کے لئے درست ہے ۔خواہ یہ بات نیابت اور خلافت کے طور پر ہو۔ایک بات اور ذہن نشین کرلیں کہ جب روح جسم خاکی سے پرواز کرتا ہے تو عارف واصل کے لئے چونکہ قلب پر پورا اختیار ہو چکا ہوتا ہے وہ روح کی اس جدائی سے جسم کی قوت سے تو محروم ہو جاتا ہے مگر روح اس کے مقام قلبی کو بے کار نہیں کر سکتی وہ نہ تو اس کے ساتھ پیوستہ رہتی ہے نہ اسے جدا کر سکتی ہے وہ محسوس کر سکتا ہے کہ روح کا ایک جسم کے ساتھ ایک تعلق ضرور تھا جس کی وجہ سے جسم خاکی کی درستگی تھی مگر دوسری طرف روح کی درستگی کے جو کمالات اور مقامات ہوتے ہیں وہ موت کے باوجود اس سے جدا نہیں ہوتے اگر یہ تعلق نہ ہوتا تو جسم اپنے تمام لوازمات کے ساتھ تمام شر اور نقص بن جاتا بعینہ یہی صورت روح وغیرہ کے ساتھ واجب تعالیٰ کی ہے (یعنی جسد خاکی سے روح کی علیحدگی سے اللہ تعالیٰ کے تعلق سے محرومی نہیں) چنانچہ ذات واجب تعالیٰ نہ عالم میں داخل ہے نہ اس سے خارج ہے نہ اس کے ساتھ پیوستہ ہے نہ اس سے جدا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کا عالم روح اور عالم قلب کے ساتھ ایک تعلق ضرور ہے۔یہ تعلق عالم کو قائم کرنے۔باقی رکھنے۔کمالات کے فیضان اور نعمتوں اور بھلائیوں کے لئے مستعد بنانے کا تعلق ہے۔

ایک اعتراض اور اس کا جواب! میری ان گذارشات کے بعد بعض حضرات یہ اعتراض اٹھائیں گے کہ علماء کرام اور صوفیاء عظام نے روح کے سلسلہ میں اس قسم کی کوئی گفتگو نہیں فرمائی۔ بلکہ انہوں نے اس قسم کی بحث کو بھی جائز نہیں سمجھا اور آپ علماء ومشائخ کے تمام خیالات سے اتفاق بھی کرتے ہیں۔اور احترام کے ساتھ ان سے ہم نوا بھی ہوتے ہیں اب روح کے معاملہ میں اس انداز سے گفتگو کیوں فرمائی جا رہی ہے۔میں اس سلسلہ میں یوں عرض کروں گا کہ پہلے تو ان میں سے اکثر حضرات روح کے معاملہ میں حقیقت حال سے واقف

نہیں ہیں جنہیں روح کے متعلق علم ہے وہ اس کے روحانی کمالات پر گفتگو نہیں کر سکے بعض نے اجمالی اشارے کیے ہیں بعض نے اجتناب فرمایا ہے انہیں یہ خدشہ تھا کہ عوام کی کج فہمی اور کوتاہ علمی ان نکات کو سمجھنے سے قاصر ہے کہیں وہ اپنی نافہمی کی وجہ سے گمراہی میں مبتلا نہ ہو جائیں لہذا ان حضرات نے خاموشی کو بہت سمجھا ہے وہ جان بوجھ کر اس بات سے بچتے رہتے ہیں کیونکہ روحانی کمالات کی معرفت نہایت مشکل امر ہے روحانی کمالات اور کمالات وجودیت کے درمیان بڑا خفیف سا فرق ہے۔ اس فرق کو صرف راسخ العلم علماء ہی محسوس کر سکتے ہیں لہذا انہوں نے اجمال اور اختصار سے کام لیا اس کی حقیقت اور وضاحت پر خاموشی اختیار کرنا ہی مناسب سمجھا وہ حضرات ان کمالات کے منکر نہیں تھے اس پر مہر بلب ضرور تھے میں نے ان معاملات کو اپنے علمی اعتماد اور وسیع واقفیت کی وجہ سے بیان کیا ہے اور یہ اعتماد اور معرفت مجھے اللہ تعالیٰ کی توفیق اور مدد سے حاصل ہوئی ہے۔ یہ سعادت مجھے سید المرسلین ﷺ کی نظر شفقت کے صدقہ سے میسر آئی ہے اور میں نے ان تمام شبہاب کا ازالہ کر دیا ہے جو اس موضوع پر وارد ہوتے ہیں۔

یاد رہے کہ جس طرح جسم روح سے بے شمار کمالات حاصل کرتا ہے اسی طرح روح بھی جسم سے بے شمار فوائد کا اکتساب کرتا ہے یہ جسم ہی ایک ایسی مشینری ہے جس سے روح دیکھنے والا سننے والا اور گفتگو کرنے کے قابل ہوتا ہے یہ جسم کے اندر اپنا مقام بناتا ہے اس کے بعد جسم کے تمام اعمال و حرکات اور افعال کا محاسبہ کرتا ہے جسم کو حاصل کیے بغیر روح محض ایک نور رہ جاتا ہے اس کے محرکات اور فیوضات ختم ہو جاتے ہیں۔

عقل معاد! جب نفس مطمئنہ روحانیوں کے ساتھ ملحق ہو جاتا ہے جس کی تفصیل ہم اوپر بتا چکے ہیں تو عالم اجساد میں عقل اس کی جگہ پر اس کی نائب اور خلیفہ بن کر بیٹھتی ہے اس کا نام عقل معاد ہوتا ہے اب اس کا تمام فکر و اندیشہ تمام کا تمام آخرت کے لئے ہی مختص ہوتا ہے اور وہ زندگی اور اس کے متعلقات کے فکر سے بے نیاز ہو جاتی ہے اور قدرت کی طرف سے جو نور عطا ہوتا ہے اس کی بدولت اسے فراست ملتی ہے یہ مقام کمالات عقل کے انتہائی مرتبوں میں

سے ہے۔

ایک اعتراض کا جواب! اگر کوئی برخود غلط شخص یہ اعتراض اٹھائے کہ عقل کے مراتب کمالات کی انتہا تو یہ ہونی چاہیے کہ وہ معاد اور معاش دونوں کو بھول جانے میں پختگی حاصل کرے کیونکہ ابتدا میں بھی اس کی فکر کا مرکز دنیا ہو خواہ آخرت ہر جگہ سوائے خدا تعالیٰ اور کچھ نہیں ہوتا۔

ہمارا جواب یہ ہے کہ نسیان اثنائے راہ میں فنا فی اللہ کے مقام میں اسے حاصل ہوا تھا لیکن یہ کمال اس مقام سے بہت منزلیں آگے کا ہے یہاں تو حصول جہل کے بعد علم کا واپس کرنا اور جمع کے نظریات کے بعد فرق و امتیاز کا دوبارہ لوٹنا ہے اور کفر طریقت کے بعد جو مرتبہ جمع میں حاصل ہوتا ہے اسلام حقیقی کا حاصل ہونا ہے فلاسفہ نے اپنی بیوقوفانہ حرکات اور خیالات سے عقل کے متعلق بے سروپا مفروضے قائم کیے ہیں انہوں نے عقل میں چار مراتب قائم کیے ہیں پھر ان چار مرتبوں کو ہی کمالات عقل سمجھ لیا ہے یہ ان کی انتہائی حماقت ہے عقل کو ان کے کمالات کے باوجود وہم کے ساتھ نہیں سمجھنا چاہیے ان حقائق کو سمجھنے کے لئے ایسے کشف اور الہام صریح کی ضرورت ہے جو انوار نبوت کے فانوس سے مقتبس ہوں۔

عقل ہے ناتمام ابھی خرد ہے بے یقین ابھی

صلوات اللہ تعالیٰ وتسلیماتہ علی جمیع الانبیاء والمرسلین عموماً وافضلھم حبیب اللہ خصوصاً

ایک اور اعتراض! بعض لوگ یہ اعتراض بھی سامنے لاتے ہیں کہ بزرگان دین اور مشائخ نے عقل کو روح کا ترجمان قرار دیا ہے ہمارے پاس اس کا یہ جواب ہے کہ جو علوم ومعارف روحانی طور پر مبدا فیاض سے جاری ہوتے ہیں انہیں قلب (جس کا تعلق عالم ارواح سے ہوتا ہے) اخذ کر لیتا ہے اس قلب کی ترجمان عقل ہوتی ہے جو انہیں ضبط تحریر میں لا کر ان کا خلاصہ تیار کر کے ان ارباب علم کی رہنمائی کرتی ہے اور اسے قابل فہم بناتی ہے جو لوگ عالم خلق میں گرفتار ہیں اگر عقلی دنیا کے لوگوں کی ترجمانی نہ کرے تو وہ مطالب ان کے فہم وادراک

سے بالاتر رہیں گے جو معارف روحانیت سے آتے ہیں ہم سابقہ صفحات میں بیان کر آئے ہیں کہ رفتہ قلبیہ حقیقت جامعہ قلبیہ کا خلیفہ ہے اس لئے اس نے بھی اصل کی حیثیت اختیار کر لی ہے اس کی اخذ کرنے کی صلاحیت بھی روحانی ہوتی ہے اسے بھی ترجمانی کی ضرورت ہے اور کسی ترجمان کی محتاج ہے

یاد رہے کہ عقل معاد پر ایک ایسا وقت بھی آجاتا ہے کہ نفس مطمئنہ کی قربت اور ہمسائیگی کے باعث بن جاتا ہے اور یہ شوق اس حد تک بڑھتا ہے کہ علق معاد نفس مطمئنہ کے مقام تک پہنچ جاتی ہے اس حالت میں عقل معاد قلب کو خالی اور تھی دست چھوڑ جاتی ہے تعقل اور تذکر کی صلاحیت بھی (عقل معاد کی بجائے) اس قلبی لوتھرے میں قرار پاتی ہے۔

ان فی ذالک ذکری لمن کان له قلب. (اس حقیقت میں ان لوگوں کے لئے نصیحت ہے جو قلب رکھتے ہیں) ایسے وقت میں وہی قلب اپنا ترجمان بن جاتا ہے اس وقت عارف کا معاملہ قالب کے ساتھ یکساں ہوتا ہے اسی کا آتشی جزو جو انا خیر منه (میں اس سے بہتر ہوں) کی صدائیں لگاتا ہے مطیع و منقاد ہو جاتا ہے رفتہ رفتہ اسلام حقیقی کے شرف سے مشرف ہو جاتا ہے چنانچہ کارکنان قضا و قدر ابلیسی خلقت کو اس سے دور کر دیتے ہیں اسے نفس مطمئنہ کے اصل مقام پر پہنچا دیا جاتا ہے اور اس کا نائب مناب اور قائم مقام قرار دیا جاتا ہے قالب (جسم) جسم میں قلب حقیقی کا خلیفہ وہی لوتھڑا ہے جو قلب کے نام سے مشہور ہے اور نفس مطمئنہ کا قائم مقام بن جاتا ہے۔

زر شد مس وجود من از کیمیائے عشق

جسم انسانی کا ایک اور جزو ہے جسے جزو ہوائی کہا جاتا ہے اسے روح کے ساتھ بڑی مناسبت ہے چنانچہ سالک جو ہوا اور فضا میں پہنچتا ہے تو اس تک عروج حاصل کر لیتا ہے کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اسی ہوا کو حقانیت کا عنوان سمجھ لیا جاتا ہے اور اس میں گرفتار ہو جاتا ہے جسے روح کے مقام پر بسا اوقات ایسا مغالطہ ہو جاتا ہے اور سالک اسی غلط مشاہدہ میں گرفتار ہو کر رہ جاتا ہے۔ بعض مشائخ نے کہا ہے کہ میں تیس سال تک روح ہی کو خدا سمجھ کر اس کی عبادت

کرتا رہا ہوں جب کارکنان قضا وقدر نے مجھے اس مقام سے نکال دیا تو مجھے ہوش آیا اور حق باطل سے جدا ہوا۔ یہ جزو ہوائی بسا اوقات روح کا ہم جنس ہوتے ہوتے قالب میں روح کا قائم مقام بن جاتا ہے اور بعض مقامات میں روح وہ روح کا ہم پلہ بن جاتا ہے جسم انسانی کا تیسرا اجزو آبی ہے ۔ یہ حقیقت جامعہ قلبیہ سے مناسبت رکھتا ہے اسی لئے اس کا فیض تمام چیزوں کو پہنچتا ہے جسم انسانی کا چوتھا جزو خاکی (مٹی) ہے یہ بدن اور قالب کا جزو اعظم ہے ۔ یہ اپنی کمینگی اور حست کی آلود سے جواس کی جبلت ہے پانی حاصل کرنے کے بعد اس قالب میں حاکم اور غالب ہو جاتا ہے قالب میں جو کچھ بھی ہے اس کے حکم میں ہو جاتا ہے اسی کا رنگ اختیار کر لیتا ہے اسی کی یہ حقیقت اس کی مکمل جامعیت اور برتری کی وجہ سے ہوتی ہے کیونکہ قالب کے دوسرے اجزا تو بہت تھوڑے ہوتے ہیں جو اسی کے کمزور جزو ہوتے ہیں اسی وجہ سے زمین ہی عناصر اور افلاک کا مرکز قرار دی گئی ہے اور زمین کا مرکز ہی پوری دنیا کا مرکز ہے اس وقت قالب کا معاملہ بھی انجام کو پہنچ جاتا ہے اور انتہائی عروج وزوال کے مقامات حاصل کرتا ہے۔ تکمیل کا کمال اس وقت حاصل ہو جاتا ہے یہ وہ انتہا ہے جو ابتدا کی طرف رجوع کرتی ہے۔

بارگاہ قدس خدوندی کے حضور حاضر ہو جاتی ہے اور پھر اس قالب سے مکمل علیحدگی اختیار کر لی جاتی ہے اور قالب بھی پورے طور پر اپنے تمام اجزا کے ساتھ مقام مراتب کے ساتھ مقام شہود وحضور میں قرار پاتی ہے۔ اور ماسوا کے دید ودانش سے مکمل طور پر روگرداں ہو جاتی ہے اس موقع پر قالب مکمل طور پر مقام اطاعت اور بندگی میں واضح ہو جاتا ہے یہ ہے فرق بعد الجمع (یعنی جمع ہونے کے بعد جدا ہو جانا) واللہ سبحانہ الموافق للکمالات

مجھے (مجدد الف ثانی) اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر خصوصی رسائی عطا فرمائی ہے یہ مقام روح کے اپنے تمام مراتب کے ساتھ عالم خلق کی طرف لوٹ آنے کا مقام ہے تاکہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ جل سبحانہ کی طرف دعوت دے اور روح اس وقت قالب کی طرح ہی ہوتا ہے اور تمام امور اسی کی اتباع میں سرانجام دیتی ہے پھر یہ معاملہ اتنی یک جہتی سے چلتا ہے کہ

اگر روح حاضر ہوتی ہے تو قالب بھی حاضر ہوتا ہے اگر قالب غافل ہو تو روح بھی غافل ہوتی ہے ہاں نماز ادا کرتے وقت روح اپنے تمام مراتب کے ساتھ بارگاہ خداوندی میں حاضر اور متوجہ ہوتی ہے خواہ قالب غافل ہی کیوں نہ ہو۔ اسی لئے نماز مومن کی معراج کہلاتی ہے۔

دعوت کا ایک اہم مقام! واصل شخص کا ایسا رجوع جس کا ہم اوپر ذکر کر آئے ہیں دعوت کے کامل ترین مقامات میں سے ہے غفلت ایک جمع کثیر کی حضوری کا سبب بنتی ہے غافل اس غفلت سے غافل ہیں اور جو صاحب حضور ہیں وہ اس رجوع سے لاعلم ہیں یہی وہ مقام ہے جس کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے لیکن ظاہراً ہم غفلت کو قابل صد مذمت گردانتے ہیں ہر کوتاہ اندیش کی رسائی اس نکتہ کو نہیں سمجھ سکتی اگر میں اس غفلت کے کمالات کو بیان کروں تو صاحب حضور حضرات اپنے مقام کو چھوڑ کر غفلت اختیار کرنے لگیں یہی وہ غفلت ہے جو انسانوں میں خواص حضرات کو خواص ملائکہ سے بلند مرتبہ بنا دیتی ہے اسی غفلت کی وجہ سے سید المرسلین ﷺ رحمۃ اللعالمین کے مقام پر فائز ہوئے اسی غفلت کی بدولت ولایت کے مقام پر سے انبیاء کرام منصب نبوت کو پہنچے یہی وہ غفلت ہے جس نے بعض انبیاء کرام کو رسالت کے مقام پر سرفراز فرمایا۔ یہی وہ غفلت ہے جس نے معاشرہ میں کام کرنے والے اولیاء اللہ اور گنہگاروں کو بیدار کرنے والے مشائخ کو گوشہ نشین اولیاء اللہ پر ترجیح دیا ہے یہی وہ غفلت ہے جس نے سید المرسلین ﷺ کو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے سبقت دے کر دنیا کا بلند ترین مقام دیا۔ ورنہ صدیق اکبر اور سرکار دو عالم کی قربت کا یہ عالم تھا کہ ایک گھوڑے کے دونوں کانوں سے تشبیہ دی گئی تھی یہی وہ غفلت ہے جو ہوش (صحو) کو سکر (بے خودی) میں تبدیل کرتی ہے یہی وہ غفلت ہے جو نبوت کو ولایت سے بلند مرتبہ قرار دیتی ہے۔ یہی وہ غفلت ہے جس کی وجہ سے قطب ارشاد قطب ابدال پر فضیلت رکھتا ہے۔ یہی وہ غفلت ہے جس کی سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہمیشہ آرزو کرتے تھے۔ یا لیتنی کنت سھو محمدؐ۔ (کاش مجھے حضور کی ایک بھول نصیب ہو جاتی) یہی وہ غفلت ہے جس کے سامنے حضوری (ہوشمندی) خادم کی حیثیت سے کھڑی رہتی ہے ہاں یہی وہ غفلت ہے جو لوگوں کی

نظر میں تنزلی مگر حقیقت میں ترقی اور بلندی ہے ہاں ہاں یہی وہ غفلت ہے جو خواص کو عام میں لا کھڑا کرتی ہے اور وہ عوام میں گھل مل کر اللہ کی دعوت اور تبلیغ کا کام کرتے ہیں اور گنہ گاروں کو اللہ کی قربت میں لاتے ہیں۔

گر بگویم شرح این بے حد شود

ترجمہ! اگر میں اس نکتہ کی تشریح کروں تو ایک بحر بے کراں بن جائے۔

فرق بعد الجمع! روح اپنے مراتب اور اپنی تابع چیزوں کے ساتھ اگرچہ عروج کے طریقے پر اپنے مقام تک پہنچ چکی ہوتی ہے لیکن ابھی اسے اپنے قالب کی تربیت درپیش ہوتی ہے اس لئے اسے دنیا کی طرف متوجہ رہنا پڑتا ہے جب قالب کا معاملہ مکمل ہو جاتا ہے تو روح اپنے دوسرے لطائف سری خفی اخفی (یعنی قلب نفس اور عقل) کے ساتھ اکثر ایسا ہوتا ہے۔ کہ قلیل کثیر کی دلالت بن جاتا ہے۔ ایک قطرہ بحر ناپیدا کنار بن جاتا ہے۔ **والسلام علی من اتبع الهدی والتزام متابعته سیر المصطفی علیه وعلی آله من الصلوات والتسلیمات اتمها واکملها.**

سید المرسلین کا امتیازی مقام! سید المرسلین ﷺ تمام انبیاء کرام اور رسل میں ایک امتیازی اور مخصوص مقام رکھتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کو تجلی ذات کا منصب حاصل ہے اس دوست عظمی کی وجہ سے آپ کی بارگاہ بھی بلند ترین ہے یہی وجہ ہے کہ آپ کی پیروی کرنے والے اولیاء اللہ بھی بلند مراتب پر فائز ہوتے ہیں۔ اس سے لوگوں کو یہ نتیجہ اخذ نہیں کرنا چاہیے کہ امت محمدیہ کے اولیاء کاملین حضرات انبیاء سے بھی بلند مرتبہ کے مالک ہیں یہ عقیدہ اہلسنت و جماعت کے نظریہ کے خلاف ہے اور یہ فضیلت کوئی جزئی فضیلت نہیں۔ ہم اسے فضیلت کلی قرار دیتے ہیں کیونکہ اللہ کے بندوں کا ایک دوسرے سے افضل ہونا قرب خداوندی کے پیمانے سے ماپا جاتا ہے یاد رہے انبیاء کرام کے مقابلہ میں جو فضیلت بھی ہو وہ کم ہی کم ہے۔

میرا خیال ہے کہ امت محمدیہ کے کاملین کا قرب خداوندی میں حصہ ہونا یا کسی اعلیٰ منصب

پر فائز ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ وہ اس مقام پر واصل بھی ہو چکے ہوں فضیلت کا انحصار تو واصل ہونے پر ہوتا ہے۔اس امت جو خیر الامم کے کاملین کا انتہائی عروج (مقام) انبیاء علیہم السلام کے قدموں کے نیچے ہی ہوتا ہے۔سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ باوجودیکہ انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد پوری انسانیت میں سب سے بلند درجہ اور افضل ترین شخصیت ہیں لیکن ان کا انتہائی عروج (مقام) بھی کسی نبی کے مقام کے نیچے تک ہے اور یہ درجہ تمام انبیا کے درجات سے کم تر ہے۔

اس بحث کا یہ نتیجہ ہے کہ اس امت محمدیہ کے اکابرین اور واصلین اس مقام میں جو فوق الفوق کے کمالات سے نیچے مقام ہے پورا حصہ حاصل ہے۔یہ فوق الفوق کا مقام ان کے پیغمبر کے ساتھ مخصوص ہے خادم جہاں کہیں بھی ہوا سے اپنے مخدوم کا پس خوردہ پہنچ جاتا ہے اکثر ایسا ہوتا ہے کہ دور کا خادم بھی اپنے مخدوم کے دستر خوان سے کچھ حاصل کر لیتا ہے لیکن بعض اوقات نزدیک رہنے والے خدمت کی دولت کے بغیر کچھ حاصل نہیں کر سکتے۔

در قافلہ کہ اوست ۔دانم نرسم
ایں بس کہ رسد زدور بانگ جرسم

(ترجمہ)۔جس قافلہ میں میرا محبوب ہے میں وہاں نہیں پہنچ سکتا۔مجھے اتنا ہی کافی ہے کہ دور سے اس قافلے کی گھنٹیوں کی آواز سنائی دیتی ہے)

شیخ اور مرید کا تعلق! یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ بعض اوقات مریدوں میں یہ خیال پیدا ہو جاتا ہے کہ وہ راہ سلوک میں اپنے پیر و مرشد میں مساوات کا درجہ حاصل کیے ہوئے ہیں حالانکہ جس نظریہ کو ہم نے اوپر بیان کیا ہے وہی اصل میں درست ہے مساوات کا درجہ تو اس وقت حاصل ہوتا ہے جب مرید بھی واصل ہو جائے ان مقامات کو صرف حصول مرتبہ پر منحصر نہیں جاننا چاہیے کیونکہ یہ حصول تو طفیلی ہوتا ہے یعنی مرید کو یہ مقام اپنے پیر و مرشد کے طفیل نصیب ہوتا ہے بایں ہمہ ہم یہ بات نہیں کہہ سکتے کہ زندگی میں کوئی مرید اپنے مرشد یا شیخ کا ہم پایہ یا بلند پایہ ہو ہی نہیں سکتا۔ایسا نہیں ہے بلکہ مساوات ممکن بھی ہے اور جائز بھی ہے

بہت سے مقامات پر ایسا ہوا بھی ہے کہ مرید نے اپنے مرشد سے بلند مرتبہ پر ترقی کی ہے۔ہم
تو صرف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ کسی مقام کے حاصل ہونے اور اس مقام پر واصل ہونے میں
نہایت باریک فرق ہے ہر مرید کو اس دولت کی طرف ہدایت حاصل نہیں ہوتی اس باریک نکتہ
کو سمجھنے کے لئے صحیح کشف اور صریح الہام درکار ہے۔واللہ سبحانہ اعلم بالصواب
والسلام علی من اتبع الھدی

راہ سلوک میں پیش آنے والے واقعات! مجھ سے ایک سالک نے دریافت کیا
کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ اس راہ پر چلنے والے کو ایک ہی حالت پیش آتی ہے اور ایک عرصہ تک
وہ برقرار رہتی ہے اور اس کے بعد وہ کیفیت غائب ہو جاتی ہے اور ایک مدت کے بعد پھر وہی
حالت ظاہر ہو جاتی ہے اور کچھ زمانے کے بعد پھر غائب ہو جاتی ہے میں نے اس کا جواب یہ
دیا کہ ہر آدمی کے سات لطیفے ہوتے ہیں اور ہر لطیفہ کی حکمرانی اور اقتدار کی مدت جداگانہ ہوتی
ہے اگرچہ وارد ہونے والی حالت ان میں لطیف ترین لطیفہ پر وارد ہوتی ہے۔تو یہ دوسری قوی
حالت بھی اس پر نزول کرتی ہے اس طرح سالک کی مجموعی کیفیت اسی قوی لطیفہ کے رنگ میں
رنگی جاتی ہے اور وہی حالت تمام لطیفوں پر چھا جاتی ہے جب تک اس لطیفہ کے اثرات قائم
رہتے ہیں لطیفہ کا غلبہ قائم رہتا ہے جب یہ غلبہ ختم ہو جاتا ہے تو وہ کیفیت بھی زائل ہو جاتی ہے
اور ایک مدت بعد وہی حالت دوبارہ لوٹ آتی ہے اگر یہ حالت پہلے لطیفے پر لوٹتی ہے تو سالک
پر ترقی کی راہیں مسدود ہو جاتی ہیں اگر کسی دوسرے لطیفے پر وارد ہو تو ترقی کے راستے کھل
جاتے ہیں اس طرح مختلف لطائف ایک دوسرے کی کیفیتیں قبول کر کے سالک کی ترقی کا
ذریعہ بنتے جاتے ہیں اگر وہ کیفیت تمام لطیفوں میں اصالۃً سرایت کرے تو سالک صاحب
حال سے صاحب مقام ہو جاتا ہے پھر زوال سے محفوظ ہو جاتا ہے۔واللہ سبحانہ اعلم
بحقیقۃ الحال الصلوٰۃ والسلام علی سید الشبر والہ الاطھر.

کلوا من طیبات مارزقنا کم کی ایک عمدہ تشریح! قرآن کریم نے اہل
ایمان کو پاکیزہ اشیاء کھانے کا حکم دیتے ہوئے اعلان کیا کہ "اے ایمان والو! ان پاکیزہ

چیزوں سے کھالو جو ہم نے تمہیں بطور رزق عطا فرمائی ہیں اور اللہ کا شکر ادا کرو اگر تم اسی کی عبادت کرتے ہو'' اس آیت کریمہ میں کھانے کے بعد اس کی عبادت کرنے کی شرط نظر آتی ہے یعنی جو کچھ ہم نے تمہیں رزق دیا ہے اس میں سے لذیذ چیزیں کھاؤ بشرطیکہ تمہاری طرح سے یہ بات صحیح ہو کہ تم عبادت کرتے وقت صرف اللہ تعالیٰ کو ہی اپنا معبود اور مخصوص بالعبادت جانتے ہو اگر ایسا نہیں اور تم لہو ولعب میں ڈالنے والی خواہشات کے پیچھے دوڑ رہے ہو تو ان پاکیزہ چیزوں کو نہ کھاؤ اس صورت میں تم بیمار ہو جاؤ گے۔ باطنی بیماریاں پیدا ہونے لگیں گی ان بیماریوں کے اثر میں اگر تم پاکیزہ چیزوں کو کھاؤ گے تو وہ تمہارے لئے زہر بن جائیں گی ہاں اگر تمہارا باطنی مرض دور ہو جائے تو تمہیں پاکیزہ اور لذیز چیزیں فائدہ پہنچائیں گی علامہ زمخشری نے اپنی تفسیر کشاف میں طیبات کی تفسیر مستلذات (لذیذ اور دل پسند چیزیں) کی ہے۔

معرفت کے بعد لغزش! ہمارے بعض مشائخ قدس سرہ نے فرمایا ہے **من عرف الله لایضره ذنب**۔ (جس شخص نے اللہ کی معرفت حاصل کر لی اسے گناہ نقصان نہیں پہنچا سکتا) یعنی وہ گناہ جو اس معرفت سے قبل مرتکب ہوئے تھے بھی نقصان نہیں دے سکتے۔ جس طرح اسلام لانے سے پہلے کی سرکشیاں اور کفریات کا اثر اسلام قبول کرنے کے بعد زائل ہو جاتا ہے ۔صوفیا کے ہاں بھی معرفت کا مقام ایسا ہی ہے جیسے کفر سے اسلام کی طرف آنا ہے اور انہیں حقیقی اسلام فنا و بقا کے بعد ہی میسر آتا ہے اس اصول کی روشنی میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ معرفت الٰہی آنے سے قبل کے گناہ کے اثرات ختم ہو جاتے ہیں۔ اس مقام پر یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ وہ گناہ صغیر جو معرفت کے بعد سامنے آئیں بھی اثر انداز نہیں ہوتے۔ کبیرہ گناہ سے تو اولیاء اللہ محفوظ ہوتے ہیں صغیرہ گناہ اس لئے اثر نہیں ڈالتے کہ اولیاء اللہ ان پر قائم نہیں رہتے اور اس کا تدارک کر کے یا استغفار کر کے آگے بڑھ جاتے ہیں بعض حضرات کہتے ہیں کہ اولیاء اللہ سے گناہ سرزد نہیں ہوتا اور وہ گناہ کے ارتکاب سے کوئی دلچسپی نہیں لیتے اس طرح جو شخص گناہ کرے گا نہیں اسے نقصان کا احتمال نہیں ہوگا۔

بعض ملحدین اور منکرین اولیاء اللہ نے اس قول سے مراد لی ہے کہ عارف گناہ ضرور کرتا

ہے لیکن اسے گناہ کا نقصان نہیں ہوتا ہم اسے وہم اور باطل اور نظریہ قرار دیتے ہیں ایسے لوگ از روئے قرآن شیطان کی جماعت سے تعلق رکھتے ہیں خبردار شیطان کی جماعت ہمیشہ ہمیشہ خسارے میں رہے گی اے پروردگار! تو ہمارے دلوں کو ہدایت عطا فرمانے کے بعد کسی اور کوتاہی سے محفوظ رکھ اور ہمیں اپنی رحمت عطا فرما یقیناً تو بہت کچھ دینے والا ہے۔ وصلی اللہ علی سیدنا محمدو آلہ وسلم وبارک

مجھے اللہ کی ذات جس کی مغفرت لامحدود اور بے تحاشا ہے امید ہے کہ ایسے عارف جو اسلام کی حقیقت سے آشنا ہو چکے ہیں انہیں معرفت سے پہلے کے کردہ گناہوں سے کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔ خواہ یہ گناہ مظالم اور حقوق العباد کے سلسلہ میں ہی سرزد ہو گئے ہوں اللہ تعالیٰ تو قادر مطلق ہے لوگوں کے دل اس کی انگلیوں میں ہیں وہ جس طرح چاہتا ہے دلوں کو تبدیل کرتا ہے ہمارے نزدیک مطلق اسلام قبول کر لینا ہی سابقہ گناہوں سے کلیۃ نجات کا ذریعہ ہے حالانکہ اس مقام پر بھی حقوق العباد کی ادائیگی سے بریت ضروری نہیں ہوتی۔ مگر معرفت الٰہی کے حاصل کرنے کے بعد سابقہ گناہ باطل ختم ہو جاتے ہیں۔

وجود باری تعالیٰ اور معرفت الٰہی! اللہ تعالیٰ اپنی ذات کے ساتھ موجود ہے وہ اپنے وجود کا محتاج نہیں اور اسے موجود ہونے کے بعد وجود کی ضرورت نہیں ہے حالانکہ باقی تمام چیزیں اپنے وجود کے ساتھ موجود ہوتی ہیں۔ چنانچہ اللہ کو موجود ہونے کے لئے وجود کی ضرورت نہیں اور نہ ہی لوگوں کو یہ کہنے کی ضرورت ہے کہ حق تعالیٰ کا وجود عین ذات ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کے وجود کو عین ذات ہونے کے اثبات تسلیم کریں تو ہمیں بڑے بلند و بالا دلائل کا محتاج ہونا پڑے گا اور اس صورت میں ہمیں خصوصیت کے ساتھ جمہور اہلسنت و جماعت کی مخالفت کرنا پڑے گی کیونکہ یہ لوگ وجود عین ذات ہونے کے قائل نہیں تھے وہ وجود کو زائد سمجھتے تھے۔

اگر ہم ذات خداوندی کو ایسے وجود کے ساتھ موجود کہیں جو اس کی ذات پر زائد ہو تو وجود کے زائد ہونے کا یہ نظریہ ہمیں اس مقام پر لے آئے گا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات واجب تعالیٰ

وتقدس غیر کی محتاج ہے لیکن اگر ہم یہ کہیں کہ وہ اپنی ذات کے ساتھ موجود ہے اور اس وجود کو ہم عرف عام کی حیثیت سے لیں تو جمہور متکلمین اہل حق کی بات درست ہو جاتی ہے اور احتیاج کا اعتراض بھی پوری طرح دور ہو جاتا ہے یہاں دو باتوں میں واضح فرق ہے ایک یہ بات کہ واجب تعالیٰ کو اپنی ذات کے ساتھ موجود کہیں اور وجود کو اس میں بالکل دخل نہ دیں اور دوسری بات یہ کہ اسے وجود کے ساتھ ہی موجود کہیں۔ اور اس کے وجود کو عین ذات ثابت کریں۔ یہ معرفت ان خصوصیات میں سے ہے جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے مجھے مخصوص فرمایا ہے۔ میں اس بات پر اللہ تعالیٰ کی حمد اور شکر ادا کرتا ہوں اور اس کے رسول ﷺ کی بارگاہ میں درود وسلام پیش کرتا ہوں

واجب الوجود پر مزید وضاحت! واجب الوجود تعالیٰ وتقدس کی خصوصیات میں سے ایک بات یہ ہے کہ وہ اپنی ذات کے ساتھ موجود ہے اور اس کے موجود ہونے کے لئے کسی چیز کی احتیاج نہیں ہے خواہ اس وجود کو عین کہیں یا ذات پر زائد کہیں۔ ان دو صورتوں میں (عینیت اور زیادتی) میں وہی بات جس سے بچنے کی ہم کوشش کرتے ہیں۔ لازم آتی ہیں۔ عینیت ماننے کی صورت میں ہمیں لایعنی اور طویل دلیلوں کی تلاش ہوگی اور جمہور اہلسنت وجماعت کے نظریات کی مخالفت ہوگی۔ اور اگر ہم زائد مانیں تو حق کی ذات کو غیر کا محتاج ماننا پڑے گا) یہ اللہ تعالیٰ کا قانون ہے جو کچھ مرتبہ وجوب میں پایا جاتا ہے اس کا اظہار امکان کے ہر مرتبہ میں ظاہر ہوتا رہتا ہے۔ علمہ احد اولم یعلم (اسے کوئی جانے یا نہ جانے) حق تعالیٰ نے عالم امکان میں اس خصوصیت واجب الوجود کا ایک نمونہ وجود کو بنایا ہے۔ حقیقت میں وجود موجود نہیں ہے اور اس کا شمار معقولات ثانیہ میں ہوتا ہے لیکن اگر ہم اس کے وجود کو فرض کریں تو یہ بذات خود موجود ہوگا نہ کہ کسی دوسرے کے وجود کے ساتھ برخلاف دوسری موجودات کے کہ ان کا وجود ہونا وجود کا محتاج ہے خود ان کی ذاتیں اپنے وجود کے لئے کافی نہیں ہیں۔ لہذا وہ وجود جسے لوگوں نے اشیاء کے موجود ہونے میں دخیل تسلیم کیا ہوا ہے اگر موجود ہوگا تو اپنی ذات کے ساتھ ہی موجود ہوگا کسی دوسرے کا محتاج نہیں ہوگا۔ خالق

موجودات اپنی ذات کے ساتھ مستقل موجود ہے۔ وہ قطعاً وجود کا محتاج نہیں۔ اس میں کوئی تعجب یا ابہام نہیں ہے حقیقت سے نا آشنا لوگ اگر اسے ناممکن یا بعید از دانست سمجھتے ہیں تو اس میں کسی کا کیا قصور ہے۔ واللہ سبحانہ اعلم بالصواب

وجودیوں کا ایک استفسار! حکماء اور اتویہ کے علاوہ بعض خود ساختہ صوفیا جو فلسفہ وحدت الوجود کو اپنا ایمان سمجھتے ہیں بھی حق تعالیٰ کے وجود کے عین ہونے کے قائل ہیں وہ بھی یہی بات کہتے ہیں جو آپ (حضرت مجدد الف ثانی) نے معرفت کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے سابقہ ارشادات میں بیان کی ہے کہ واجب الوجود (ذات حق) بذات خود موجود ہے نہ کہ وجود کے ساتھ لہذا یہ بات ایک ہی ہے کہ واجب الوجود ایک ایسے وجود کے ساتھ موجود ہے جو بذات خود ذات کا عین ہے اسے کسی وجود کی محتاجی یا سہارے کی ضرورت نہیں ان حالات میں آپ کا ان حضرات سے جداگانہ نظریہ قابل فہم نہیں۔

حضرت مجدد الف ثانی کا جواب! ہم اس کے جواب میں یہ کہیں گے کہ اگر اس مفروضہ کو تسلیم کر لیا جائے تو اس مسئلہ میں اہل سنت کا ان وجودیوں (اشعریہ اور فلاسفہ) سے کوئی اختلاف نہیں رہتا۔ اس معاملہ میں اہل حق کو یوں کہنا چاہیے تھا کہ حق تعالیٰ وجود کے ساتھ موجود ہے بذات خود موجود نہیں (تا کہ اختلاف کی کوئی شکل سامنے آتی) اس مفروضہ کی بنا پر وجود کی زیادتی کا ثابت کرنا غلط ہے لہذا وجود کے زائد ہونے کا دعویٰ اس بات کی دلالت کرتا ہے کہ فریقین کا اختلاف وجود کے بارے میں نہیں بلکہ اس کے وصف کے بارے میں ہے آیا وہ اس کی ذات کا عین ہے یا ذات پر زائد؟ دونوں فریق اس بات کے قائل ہیں کہ حق تعالیٰ وجود کے ساتھ موجود ہے۔ اس بات میں ان میں کوئی اختلاف نہیں۔ اختلاف تو صرف یہ ہے کہ وجود اس کی ذات کا عین ہے یا اس کی ذات پر زائد ہے بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ جب واجب الوجود اللہ تعالیٰ بذات خود موجود ہے تو واجب تعالیٰ کو وجود کہنے کے معنی کیا ہوں گے؟ کیونکہ موجود تو اس چیز کو کہتے ہیں جس کے ساتھ وجود قائم ہو اور یہاں وجود مطلقاً ہے ہی نہیں ہم اس سوال کا جواب مثبت طریقہ سے دیں گے۔ ایسا کوئی وجود جس کے ساتھ ذات واجب

تعالیٰ موجود ہو واجب تعالیٰ میں نہیں پایا جاتا مگر ایسا وجود جسے عرف عام کے طور پر ذات حق تعالیٰ پر بولا جاتا ہے اور وہ بطور اشتقاق اس پر محمول بھی ہو اگر اس وجود کے قیام کے اعتبار سے واجب تعالیٰ کو موجود کہیں تو اس کی گنجائش نکل سکتی ہے اور اس میں کوئی خطرہ لازم نہیں آتا۔

خدا کی ذات مشاہدہ روئت یا وہم وخیال میں نہیں آسکتی! ہم ایسے خدا کی پرستش نہیں کرتے جو شہود کے احاطے میں آسکے جو دیکھا جاسکے جو معلوم کی حدود میں اس کے جو ہمارے وہم وخیال میں سما سکے مشہود، مرئی، موہوم اور خیال میں آنے والی چیز مشاہدہ کرنے والے دیکھنے والے جاننے والے وہم کرنے والے اور خیال کرنے والے کی طرح مخلوق اور پیدا شدہ ہے۔

اے برتر از خیال وقیاس وگماں ووہم

وزہر چہ گفتہ اند شنیدیم وخواندہ ایم

سیر وسلوک کے مقاصد! سیر سلوک کا مقصد پردوں کو چاک کرنا حجابات کو دور کرنا ہوتا ہے خواہ یہ پردے وجوبی ہوں یا امکانی۔ بے پردہ وصال کی تمنا ہوتی ہے یہ نہیں کہ مطلب کو اپنی قید میں لائیں اور اپنا شکار بنالیں۔

عنقا شکار کس نشود دام بار چنیں

کانجا ہمیشہ باد بدست است دام را

رہ گئی یہ بات کہ آخرت میں رویت باری تعالیٰ ہوگی اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ اور یہ ہمارا ایمان ہے ہم تو دنیاوی زندگی میں بھی رویت باری تعالیٰ سے انکار کرتے ہیں ہم آخرت میں رویت کی کیفیت کے اظہار سے محذدو نہیں کیونکہ عوام کی فہم اس ادارک سے قاصر ہے اس وجہ سے نہیں کہ خواص بھی اس کا ادارک نہیں کر سکتے کیونکہ اس کے لئے تو اس مقام سے اس دنیا میں بھی حصہ ہوتا ہے اگر چہ اس کا نام رویت نہیں رکھا جاتا

اہل علم اس بات پر متفق ہیں کہ جو چیز دیدہ و دانش میں آجائے وہ مقید ہوتی ہے مطلوب وہ ہوتا ہے جو تمام قیود سے مبرا اور منزہ ہو لہذا اس مطلوب یعنی ذات کو دیدہ و دانش سے ماورا

تلاش کرنا چاہیے یہ معاملہ حد عقل سے بہت پرے کی چیز ہے کیونکہ عقل انہیں چیزوں کو تلاش کرنے میں ناکام ہوتی ہے جو دیدہ و دانش سے ماورا ہوں

راز درون پردہ ز رندانِ مست پرس
کیں حال نیست صوفی عالی مقام را

(پردے کے اندر کے اسرار و رموز رندان مست سے پوچھیے ۔ یہ کیفیت صوفی عالی مقام کی رسائی سے بہت دور ہے)

اطلاق محض ! ذات مطلق اپنے اطلاق محض پر موجود ہے اس کے ساتھ کسی قسم کی قید و شرط کو دخل نہیں ہے لیکن چونکہ اس کا ظہور مقید (مخلوق) کے آئینے میں ہوتا ہے لہذا اس کا عکس ان آئینوں کے احکام میں رنگ جاتا ہے اس لئے یہ مقید و مخلوق چیزیں دید و دانش میں آ جاتی ہیں چنانچہ دید و دانش کی حدود مطلوب کے ایک عکس پر اکتفا کر لیتی ہیں ۔ لیکن جو لوگ عالی ہمت ہوتے ہیں وہ محض اخروٹ یا منقیٰ پر سیر نہیں ہوتے وہ بلند مقام کی تلاش میں رہتے ہیں اللہ تعالیٰ بھی بلند ہمت لوگوں کو دوست رکھتا ہے۔

فرشتوں پر انسانوں کی فضیلت ! سلوک کی ابتدائی تربیت کے دنوں میں مجھے یوں محسوس ہوا کہ میں ایک دن مکان میں طواف کر رہا ہوں ۔ بہت سے لوگ بھی میرے ساتھ طواف میں شریک ہیں لیکن ان لوگوں کی سست رفتاری اس حد تک ہے کہ میں پورا طواف کرتا ہوں تو وہ ابھی چند قدم اٹھانے میں کامیاب ہوتے ہیں پھر مجھے یوں معلوم ہوا کہ یہ مکان عرش سے بھی اوپر ہے اور یہ لوگ ملائکہ میں سے ہیں ہمارے نبی اور ان سب حضرات ملائکہ پر اللہ کی رحمتیں اور سلامتیاں نازل ہوں خدا اپنی رحمت کے ساتھ جسے چاہے مخصوص فرما لیتا ہے۔

اولیاء اللہ مافوق البشر نہیں ہیں ! اولیاء اللہ کے حجابات اور پردے ان کے بشری صفات سے بنے ہوئے ہیں جن چیزوں کو اس کائنات ارضی پر اپنے والوں کے دوسرے انسانوں کو ضرورت ہوتی صفات بشریت کا معاملہ بھی بڑا عجیب ہے یہ جس قدر اہل اللہ پر ظاہر ہوتی ہیں دوسرے لوگوں پر ظاہر نہیں ہوتیں ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ظلمت و کدورت خواہ تھوڑی

ہی کیوں نہ ہوں۔ ہموار اور صاف ستھرے مقام پر زیادہ نمایاں ہوتی ہے مگر ناہموار اور گندے ماحول میں زیادہ نمایاں نہیں ہوتی۔ صفات بشری کی تاریکیاں اور ظلمتیں عام لوگوں میں ان کی مجموعی حیثیت سے بھی سرایت کر جاتی ہیں جسم قلب اور روح پر مسلط ہو جاتی ہیں اس کے برعکس خواص پر یہ ظلمت محض جسم اور نفس تک محدود ہوتی ہے۔ خاص الخاص حضرات کا تو نفس بھی ان ظلمتوں سے محفوظ رہتا ہے۔ صرف ان کا ظاہری جسم ہی ان ظلمتوں اور کوتاہیوں سے متاثر ہوتا ہے ایک اور بات یاد رکھیں کہ یہ جسمانی ظلمتیں عام لوگوں کے لئے خسارہ اور نقصان لاتی ہیں مگر خواص میں کمال اور تر و تازگی کا موجب بنتی ہیں۔ یہ خواص کی ظلمتوں کی برکات ہوتی ہیں جو عوام کو ظلمتوں اور برائیوں سے دور رکھتی ہیں ان کے قلوب کو تزکیہ اور ان کے نفوس تصفیہ بخشتی رہتی ہیں اگر یہ ظلمت نہ ہوتی تو خواص کو عوام سے کوئی نہ نسبت ہوتی اور خواص اور عوام علیحدہ علیحدہ جنسیں ہوتیں افادہ اور استفادہ کی راہیں مسدود ہو جاتیں یہ ظلمتیں خواص کے قلوب اور اجسام کو سیاہ نہیں کر سکتیں۔ بلکہ ان کی ندامت اور استغفار سے یہ ظلمتیں دور ہوتی رہتی ہیں یہی وجہ ہے کہ ان کے مقامات میں ترقیاں ہوتی جاتی ہیں یہ ظلمت ملائکہ میں نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے مقامات مزید ترقیوں سے رک جاتے ہیں وہ جس جس مقام پر ہیں اس سے آگے نہیں بڑھ پاتے یہ ظلمت ایک ایسی تعریف ہے جو خدمت کے مشابہ ہے۔

بے خبر عوام اہل اللہ کو اپنی طرح برائیوں کا شکار سمجھتے رہتے ہیں اور ان کی صفات بشری کو اپنی صفات ذلات کے مشابہ قرار دیتے ہیں اسی وجہ سے ذلیل و خوار رہتے ہیں۔ غایت کو حاضر پر قیاس کر لیتے ہیں حالانکہ ہر مقام کی الگ الگ صفات ہوتی ہیں علیحدہ علیحدہ خصوصیات ہوتی ہیں ہر جگہ کی جدا جدا ضرورتیں ہوتی ہیں اور ہر ضرورت کا علیحدہ علیحدہ مقام ہوتا ہے۔

علوم امکانی اور معارف ایک جگہ جمع نہیں ہو سکے! انسان جب تک علم و ادب میں مقید رہتا ہے اور جتنی مدت تک وہ علم و دانش کی وادی میں سرگرداں رہتا ہے اور جب تک ماسوا کے نقوش سے منقش رہتا ہے پست اور نا قابل اعتماد رہتا ہے ماسوا اللہ کو بھول جانا منزل کی طرف راہنمائی کی علامت ہے۔ ماسوا اللہ کا فنا ہو جانا اگلی منزل کی رسائی کا نشان ہے جب تک

باطل کا آئینہ امکان کے رنگ وغبار سے صاف نہیں ہوتا اس وقت تک اس پر حضرت وجود اور ذات الٰہی کے انوار کا حضور محال بلکہ ناممکن ہوتا ہے۔ کیونکہ علوم امکانی (کائنات کے علوم) اور معارف وجوبی (عرفان الٰہی) کا ایک جگہ جمع ہونا ایسا ہی ہے جیسے ضدین ایک جگہ جمع ہو جائیں اور اجتماع اضداد محال ہے۔

ایک سوال! اس مقام پر ایک سوال سامنے آتا ہے کہ جب قضا کے کارکن کسی عارف کو مقام بقا کیساتھ مشرف فرماتے ہیں اور ناقص لوگوں کی تکمیل کے لئے اسے (عالم امکان کی طرف) واپس بھیجتے ہیں اور امکانی علوم جو پہلے زائل ہو چکے ہوتے ہیں واپس آ جاتے ہیں اور اس طرح علوم امکانی اور علوم معارف دونوں ایک جیسے ہو جاتے ہیں حالانکہ ہم اوپر اسے اجتماع ضدین قرار دے کر ناممکن قرار دے چکے ہیں۔

جواب! ہم اس کا جواب یہ دیں گے باقی باللہ (جو اللہ کے ساتھ باقی رہنے والا ہے) عارف اس وقت برزخیت کے مقام پر ہوتا ہے۔ وہ وجوب اور امکان کے درمیان (برزخ) ہوتا ہے وہ دونوں مقامات کے رنگوں میں رنگا ہوتا ہے اس صورت میں اگر دونوں مقامات کے علوم اور معارف اس میں جمع ہو جائیں تو اس میں کیا اشکال ہے کیونکہ اجتماع ضدین کا مقام ایک نہیں رہا متعدد مقامات بن گئے اس طرح اجتماع ضدین نہیں ہوا۔

علم الاشیاء کی واپسی! مرتبہ فنا پر آنے کے بعد چیزوں کا علم زائل ہو گیا تھا۔ مرتبہ بقا پر اگر واپس آ گیا ہے تو اس میں عارف کے کمال میں کوئی نقص لازم نہیں آئے گا بلکہ اس رجوع ہی میں اس کا کمال ہے اور اس کی تکمیل اسی رجوع کے ساتھ وابستہ ہے کیونکہ عارف مقام بقا میں واصل ہو جانے کے بعد حق تعالیٰ کے اخلاق کے ساتھ آراستہ و پیراستہ ہو جاتا ہے اور اشیاء کا علم ذات واجب تعالیٰ میں عین کمال ہے اور اس کا عکس یا خلاف موجب نقصان ہے۔

جو عارف اخلاق خداوندی سے رنگا ہوا ہوتا ہے اس کا یہ حال ہے جو ہم نے اوپر ذکر کیا ہے اس میں حکمت یہ ہے کہ عالم امکان میں علم حاصل ہونے کی صورت یہ ہوتی ہے کہ عالم ذہن میں معلوم کو صورت کا حصول ہو جاتا ہے اور اس لازمی طور پر عالم کی ذات اپنے اندر معلوم کی

صورت کا حصول ہو جاتا ہے عالم کی اثر پذیری بھی بڑھتی جاتی ہے جس کے نتیجہ میں اس عالم کے اندر تغیر وتلون زیادہ وسیع اور مفصل بھرا ہوتا ہے اس لئے یہی چیز ایک نقص بن جاتا ہے اندریں حالات ایک سچے طالب کے لئے ضروری ہے کہ ایسے تمام علوم کی نفی کر دے اور تمام اشیاء کو بھول جائے۔

یہ کیفیت صرف بشری حالات میں ہوتی ہے۔ذات واجب تعالیٰ میں علم کی یہ کیفیت نہیں ہوتی کیونکہ اس کی ذات ایسے حالات سے منزہ ہے نہ اس کے ہاں علم آتا ہے نہ اسے علم کی کمی ہے وہ بذات خود علم ونور کا منبع ہے اس میں علمی اشیاء حلول نہیں کرتیں بلکہ حق تعالیٰ علم اشیاء احتیاج سے منزہ ہے یہ تمام چیزیں اس کے ہاں ابدالآباد سے ہی معلوم ہیں وہ ذات ہر قسم کی ترقی تغیر سے پاک ہے وہ اپنی صفات اور ذات میں کسی خارجی اور بیرونی قوت کا محتاج نہیں جو عارف اللہ کے اس رنگ سے مزین ہو جاتا ہے اس کی کیفیتیں بھی عام علماء اور دانشور ممتاز ہو جاتی ہیں۔انہیں علم الاشیاء کے حصول کے لئے کسی قسم کے قواعد وضوابط کا سہارا نہیں لینا پڑتا لہذا اس میں بھی اشیاء معلومہ حلول نہیں کرتیں اور کوئی چیز اسے متاثر نہیں کرتی ان وجوہات سے نہ اسے تصور آتا ہے نہ تلون وہ نقص کو قبول کرنے کی بجائے کمال بن جاتا ہے یہ راز اسرار اور حکمتیں دقائق الٰہیہ میں سے ہیں۔اگر میرے ان خیالات کو لوگ نہیں سمجھتے تو ان سے شکوہ نہیں یہ دقائق الٰہیہ ہیں۔

مقام رضا! مجھے (مجدد الف ثانی قدس سرہ السامی) سلوک کے ابتدائی زمانے میں مختلف مدارج اور مقامات سے گذرنا پڑا اس رجوع الی اللہ کی منزل پر چلتے چلتے بارہ سال ہو گئے تو مقام رضا سے مشرف فرمایا گیا۔پہلے تو میرے نفس کو دولت اطمینان بخشی گئی اس کے بعد آہستہ آہستہ اللہ تعالیٰ نے مقام رضا سے بہرہ ور فرمایا۔میں اس وقت تک مشرف نہیں ہوا تھا جب تک اللہ کی رضا کا ایک پرتو روشن ہو کر میرے سامنے نہیں آیا۔تھوڑی دیر بعد میرا نفس مطمئنہ اپنے اللہ پر راضی ہو گیا۔میں اس نعمت پر اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کرتا ہوں۔ایسی حمد وثنا جو بے پایاں ہے اور پاکیزہ ہے اس کے اندر اور باہر برکات خداوندی ہوں۔ایسی حمد وثنا جسے اللہ پسند فرمائے

اور راضی ہو درود سلام ہو اس رسول مقبول حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر آپ کی آل پر آپ کے صحابہ پر جیسا کہ ان کی ذات کا حق ہے۔

بعض مفکرین کا یہ سوال نہایت درست ہے کہ جب نفس مطمئنہ اپنے مولیٰ و آقا سے راضی ہو گیا تو اس کے بعد دعا اور مصائب کو دفع کرنے کی خواہش وطلب کا کیا معنی ہے؟ ہم اس کا جواب یہ کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم یا فعل سے لازم نہیں کہ اس کی مخلوق سے بھی راضی ہو جائے۔ کیونکہ مخلوق کی ہر بات پر راضی ہونا تو بعض اوقات کفر وعصیاں تک لے جاتا ہے میلایت پرستی اور کفریات بھی مخلوق ہیں ان پر راضی ہونا کفر ہے اس قبیح و بری چیز کی پیدائش کو رضا گو ضروری ہے مگر اسے تسلیم کر لینا کفر ہے اللہ تعالیٰ خود تمام چیزوں کا خالق ہے مگر ان بری چیزوں سے راضی نہیں ہے لہذا اس کا بندہ ان سے کسی طرح راضی ہو سکتا ہے بلکہ بندہ تو ایسے مقامات میں سختی اور درشتگی برتنے پر حق بجانب ہے لہذا مخلوق سے کراہت اور ناپسندگی اس کی پیدائش کے فعل سے تو ناپسندیدگی نہیں ہو سکتی۔ ہاں اس کی ذات سے کراہت ضروری ہے اور ان کے رفع کرنے میں طرح طرح کے تکلفات درکار ہیں۔ چنانچہ انہوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ کراہت کا پایا جانا رضا کے حال کے منافی ہے ہاں رضا کے مقام کے منافی نہیں ہے مگر صحیح بات وہی ہے جو میں نے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے الہام سے تحقیق کے ساتھ لکھ دی ہے ۔والسلام علی من اتبع الهدی۔

قرات خلف الامام! ایک عرصہ سے میری دلی خواہش تھی کہ عقیدہ اہلسنت میں امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنے کا جواب مل جائے کیونکہ نماز میں قرات کرنا فرض ہے تو قرات حقیقی کو چھوڑ کر قرات حکمی کو اختیار کرنا معقول معلوم نہیں ہوتا پھر حدیث نبوی میں یہ بات آ چکی ہے کہ ۔لاصلواۃ الا بفاتحۃ الکتاب۔ (سورۃ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہو سکتی) لیکن حنفی فقہ کی پاسداری کے لئے مجبوراً امام کے پیچھے قرات نہیں کرتا رہا اور اس ترک قرات کو مجاہد اور ریاضت کے طور پر اختیار کیے رہا میرے نزدیک ایک مذہب کو چھوڑ کر دوسرے مذہب میں جانا الحاد ہے آخر کار اللہ تعالیٰ نے مجھے اس عقیدہ اور نظریہ کی حقیقت سے آگاہ فرما دیا۔ پھر نگاہ

بصیرت میں قرات حکمی ہی قرات حقیقی کانعم البدل دکھائی دینے لگی امام اور مقتدی متفقہ طور پر مقام مناجات میں کھڑے ہوتے ہیں (نماز پڑھنے والا اللہ سے مناجات کرتا ہے) تمام مقتدی امام کو اپنا پیشوا تصور کرتے ہیں یہی ان کا ترجمان اور نمائندہ ہوتا ہے لہذا امام جو کچھ پڑھتا ہے وہ پوری قوم کی نمائندگی میں پڑھتا ہے یہ پوری قوم کی زبان ہوتی ہے بالکل اسی طرح جیسے لوگوں کی ایک جماعت (وفد) کسی ضروری کام کے لئے ایک بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہو اور وہ ایک آدمی کو اپنا نمائندہ یا پیشوا بنا لیتے ہیں تاکہ وہ سب کی طرف سے بادشاہ کی خدمت میں گذارشات پیش کرے اور موقع پر اگر تمام دوسرے لوگ بھی اپنی اپنی بات کرنے لگیں تو بے ادبی وگستاخی سمجھی جائے گی اور بادشاہ کے لئے وجہ ناراضگی ہوگا۔ یہی صورت حال امام کی قرات کا ہے وہ تمام مقتدیوں کی طرف سے قرات کرتا ہے سب کا بولنا محض شوروشغب اور ادب کے خلاف کام ہوگا۔

ہم فقہی مسائل پر نگاہ ڈالتے ہیں تو ہمیں شافعی اور حنفی (اور دوسرے مذاہب) میں اکثر مواقع پر اختلاف نظر آتا ہے۔ ظاہری طور پر لوگ محسوس کرتے ہیں کہ شافعی مسلک آسان اور درست ہے مگر ہم بغور باطنی معاملات پر نظر ڈالتے ہیں تو حنفی مسلک کی تائید کرنا پڑتی ہے مجھے قضاوقدر کے کارکنوں نے واضح کیا ہے کہ علم کلام کے اختلافات کے باوجود حنفی مسلک ہی حق پر ہے مثلاً حنفی تکوین کو صفات حقیقیہ میں شمار کرتے ہیں حالانکہ بظاہر ایسا نظر آتا ہے کہ یہ حقیقی صفت نہیں ہے اس کا انجام قدرت اور ارادہ کی صفات میں سے ہے لیکن باریک بینی اور نور فراست سے دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ تکوین واقعی ایک علیحدہ اور مستقل صفت ہے ہم دعوی کرتے ہیں کہ حنفی مسلک ہی حق وصداقت پر ہے۔

ماتریدیہ کی تائید! میں سلوک کے درمیانی مقام پر تھا کہ ایک رات مجھے سید المرسلین ﷺ نے خواب میں زیارت سے نوازا اور فرمایا۔ ''تم علم کلام کے مجتہدین میں سے ہو'' اس دن سے میری نگاہ میں کلامیہ مسائل آسان ہونے لگے اور مجھے ایک خاص رائے اور مخصوص علم سے نواز اگیا میرے سامنے اکثر ایسے اختلافی مسائل آئے جن میں ماتریدیہ اور اشاعرہ میں جھگڑا تھا

۔میں اس مسئلہ کو ابتدائی طور پر دیکھتا تو اشاعرہ کو حق پر پاتا لیکن نور فراست سے باریک بینی سے غور کرتا تو واضح ہو جاتا کہ ماتریدیہ کا نظریہ درست ہے علم کلام میں تمام مسائل پر میری تحقیق ماتریدیہ کے طرز پر ہوتی تھی۔ سچی بات یہ ہے کہ ماتریدیہ سنت رسول ﷺ کی پیروی کی بدولت عالی شان نظریہ کے مالک ہیں ان بزرگوں کو وہ مقام حاصل ہے جو ان کے مخالفین کو میسر نہیں ہے کیونکہ اشاعرہ نے اپنی فلسفیانہ موشگافیوں سے مسائل کو مشکل بنا دیا ہے ۔اگرچہ دونوں فریق حق پر ہیں مگر ماتریدیہ کا انداز زیادہ درست ہے۔

حضرت امام اعظم کی عظمت ! حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ۔ بزرگوں کے بزرگ ترین امام ہیں۔ وہ امام اجل۔ پیشوائے اکمل ہیں۔ ان کی بلندی شان کو بیان کرنے کے لئے میرے پاس الفاظ نہیں ہیں۔ وہ امام مالک۔ امام احمد بن حنبل اور امام شافعی رضی اللہ عنہم سب سے زیادہ عالم اور متقی ہیں۔ ان کا مقام ان تمام سے بلند تر ہے۔ حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ ''تمام فقہائے اسلام امام ابوحنیفہ کے سامنے طفل مکتب ہیں'' امام شافعی جب امام ابوحنیفہ کی قبر مبارک پر فاتحہ کے لئے حاضر ہوتے تو اپنے مسلک اور اجتہاد کو چھوڑ دیتے تھے اور اپنی رائے پر عمل کرنے کی بجائے امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی رائے کو ترجیح دیا کرتے تھے اور فرمایا کرتے۔ مجھے شرم آتی ہے کہ میں اس شخص کے سامنے اپنی رائے کا اظہار کروں جس کی رائے ہمیشہ فائق اور بلند ہے''۔

آپ کا یہ معمول تھا کہ حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے مزار کی زیارت کو روانہ ہوتے تو اس عرصہ کے دوران امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنا چھوڑ دیا کرتے تھے اور فجر کی نماز میں قنوت بھی ترک کر دیتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے مقام اور شان کو امام شافعی رضی اللہ عنہ ہی صحیح طور پر جانتے تھے۔ قیامت کے قریب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نزول فرمائیں گے۔ تو وہ فقہ حنفی پر احکام شریعت نافذ کریں گے۔ اس بات کو میرے راہنمائے طریقت حضرت خواجہ محمد پارسا نقشبندی قدس سرہ نے اپنی کتاب ''فصول ستہ'' میں

بڑی وضاحت سے بیان فرمایا ہے آپ نے لکھا ہے کہ حضرت امام اعظم کی بزرگی اور عظمت کا یہ عالم ہے کہ ایک الوالعزم پیغمبر آپ کے طریقہ پر عمل کرے گا ہزاروں عظمتیں اسی ایک اعزاز پر قربان کی جاسکتی ہیں۔ ہمارے خواجہ باقی باللہ قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ کچھ عرصہ تک میں بھی امام کے پیچھے فاتحہ پڑھتا رہا ہوں لیکن جب میں نے ایک رات خواب میں سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ ایک شاندار مرصع قصیدہ اپنی ہی شان میں پڑھ رہے تھے۔ اس کا ایک شعر ایسا تھا جس میں امام صاحب نے فرمایا کہ میرے طریقہ اور مسلک پر ہزاروں اولیاء اللہ کاربند ہیں اور بے شمار علماء اہلسنت نے میری تقلید کی ہے میں نے اس روز سے فاتحہ خلف الام ترک کردی۔

حصول اجازت! روحانی تربیت میں بعض اوقات ایک مرید کمال حاصل کرنے سے پہلے ہی مریدوں کی تربیت میں لگا دیا جاتا ہے یعنی ناقص مرید کو طریقت کی تعلیم کی اجازت دے دیتا ہے۔ اس ناقص شخص کی مریدین کے اجتماع کی وجہ سے اس ناقص مرید کا کام چل نکلتا ہے اس خدمت اور تربیت کے صلہ میں اس ناقص مرید کو کمالات حاصل ہوجاتے ہیں حضرت خواجہ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا یعقوب چرخی رحمۃ اللہ علیہ کو درجہ کمال تک پہنچنے سے پہلے ہی مریدوں کی طریقت کی تعلیم کے لئے اجازت مرحمت فرمادی تھی اور فرمایا تھا ''یعقوب! جو کچھ میں نے دیا ہے لوگوں کو پہنچاتے جاؤ۔'' حالانکہ حضرت مولانا یعقوب چرخی کی تکمیل حضرت خواجہ علاؤالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ نے کی تھی یہی وجہ ہے کہ مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ نفحات الانس میں حضرت یعقوب چرخی کی پہلی نسبت خواجہ عطار قدس سرہ الستار سے قائم کرتے ہیں پھر خواجہ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ سے اسی طرح جب کوئی کامل بزرگ اپنے ایسے مرید کو جو کمال کا صرف ایک درجہ حاصل کرتا ہے تعلیم وارشاد کی اجازت دے دیتا ہے تو وہ بھی اسی نسبت میں آئے گا وہ مرید ایک طرح کا کامل ہے اور بعض مدارج میں ناقص ہے اسی طرح وہ مرید جو مکمل کامل تو نہیں ہوتے مگر دو تین مدارج میں کامل ہوتے ہیں وہی مقام رکھتے ہیں ایسے مرید ایک لحاظ سے کامل کہلائیں گے اور ایک لحاظ سے ناقص! کیونکہ نہایت النہایت (یعنی آخری مقام

کمال) تک پہنچنے سے پہلے تمام درجے ایک جہت میں کمال پاتے ہیں اور دوسری جہت میں ناقص ہوتے ہیں اس کے باوجود پیر کامل ایسے مریدوں کو تکمیل کے مراحل طے کرنے سے پہلے ہی ارشاد و تعلیم کی اجازت دے دیتے ہیں لہذا اجازت تکمیل کمال اور انتہائے کمال پر منحصر ہوتی ہے۔

ایک نکتہ یاد رکھیں کہ نقص اگر اجازت کے منافی ہے مگر اجازت دینے والا ایک کمال پر اجازت دے دیتا ہے تو نقائص دب جاتے ہیں اور مرشد کا ہاتھ مرید کا ہاتھ ہوتا ہے یہ نقص متعدی نہیں ہوتا۔

یاداشت کے مدارج! یاداشت سے مراد حضرت ذات حق اور تقدس کا دوام حضور ہے اور یہ کیفیت ان لوگوں پر جو مقام قلب پر فائز ہیں۔ جمعیت قلب کی وجہ سے خیال میں آ جاتی ہے کیونکہ جو کچھ انسان کی مجموعی حیثیت میں پایا جاتا ہے وہ سب کچھ تنہا قلب میں بھی پایا جاتا ہے حالانکہ دونوں کے درمیان صرف ''اجمال اور تفصیل کا ہی فرق ہوتا ہے لہذا مرتبہ قلب میں بھی ذات حق تعالیٰ تقدس کا حضور بطور دوام ہی میسر ہوتا ہے۔ یہ مقام یاداشت کی صورت میں ہوتا ہے یاداشت کی حقیقت میں نہیں مشائخ نے النہایت فی البدایت (آغاز میں انجام کی جلوہ فرمائی) کے اندارج کی جس صورت کو بیان فرمایا ہے وہ یاداشت کی طرف اشارہ ہے یاداشت کی حقیقت تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کے بعد حاصل ہوتی ہے لیکن جو لوگ حضرت ذات حق سے مراد مرتبہ وجوب لیتے ہیں جس میں ذات تمام صفات وجوبیہ کی جامع ہوتی ہے تو تمام امکانی مراتب کو طے کر لینے کے بعد محض اس مقام کے شہود تک رسائی کر لینے کے بعد یاداشت کا حصول ہو جائے گا اور تجلیات صفاتی بھی یہ معنی متحقق ہے اس صورت میں صفائی کا پیش نظر رہنا ذات حق تعالیٰ کے حضور کے منافی نہیں ہے بعض بزرگوں کے ہاں حضرت حق ذات سے مراد مجرد احدیت کا مرتبہ ہے جو تمام اسماء نسبتوں اور اعتبارات سے خالی ہے تو پھر یاداشت کا حصول تمام مراتب آسانی۔ صفاتی نسبتی اور اعتباری کو طے کر لینے کے بعد ہی متصور ہوتا ہے اور ہم نے یاداشت کی اصطلاح کو جہاں بھی بیان کیا ہے اس معنی میں بیان کیا ہے

ہمارے نزدیک اس مرتبہ کا حضور کے لفظ کا استعمال بھی مناسب نہیں ہے جیسا کہ ارباب یاداشت پر مخفی نہیں ہے کیونکہ وہ مقام حضور اور غیبت دونوں سے بلند ہے "حضور" کا لفظ صفات میں سے ایک صفت کو سامنے لاتا ہے کیونکہ جو کچھ لفظ حضور کے مناسب ہے وہ یاداشت کی تفسیر ہے جو اوپر معنی دوم میں کی گئی ہے۔

اس مفروضہ کی بنا پر یاداشت کو انتہا کہنا شہود وحضور کے اعتبار سے ہے کیونکہ اس مرتبہ سے اوپر تو حضور وشہود کی کوئی گنجائش نہیں۔ اس مقام کے بعد یا حیرت کے یا جہل ہے یا معرفت ہے لیکن وہ معرفت نہیں جسے عام علمی اصطلاح میں معرفت کہا جاتا ہے کیونکہ علم والوں کے نزدیک تو معرفت افعال اور صفاتی ہوتی ہے مگر یہ صفات وافعال سے کئی منزلیں اوپر ہے۔ والصلوۃ والسلام علی سید البشیر صلی اللہ علیہ وسلم وعلی آلہ واصحابہ۔

نہایت النہایت کی راہ میں دس مقامات! راہ سلوک کی تکمیل اور معرفت کے انتہائی مقام تک پہنچنے کے لئے سالک کو دس مقامات سے گذرنا پڑتا ہے۔ اس راہ میں پہلا مقام توبہ ہے اور آخری مقام رضا ہے۔

مراتب کمال میں کوئی مقام بھی رضا کے مقام سے اونچا نہیں ہے حتی کی رویت اخروی بھی مقام رضا سے پیچھے ہے مقام کی مکمل حقیقت تو آخرت میں ظاہر ہوگی دوسرے مقامات کا حصول آخرت میں نہیں ہوگا۔ وہاں توبہ کی کوئی حقیقت نہیں زہد کا کوئی مقام نہیں توکل کی وہاں کوئی گنجائش نہیں صبر کا کوئی احتمال نہیں شکر وہاں پایا جاتا ہے مگر شکر بھی رضا کے دامن سے ہی وابستہ ہے آخرت میں بس رضا ہی رضا ہے۔

بعض اوقات ایسے معاملات بھی دیکھنے میں آئے ہیں کہ خود مرد کامل جو دوسری کی تکمیل سلوک میں مصروف ہونے والی ہستی بھی دنیا کی طرف رغبت کرنے لگ جاتی ہے اور اس کی بہت سی ایسی باتیں دکھائی دی ہیں کہ وہ توکل اور تقوی کے خلاف ہیں بے صبری اور اضطراب کے خلاف نظر آتی ہے بعض اوقات ناپسندیدگی سے رضا کے خلاف حالات دکھائی دیتے ہیں ان حالات کے رونما ہونے کی کیا وجوہات ہیں۔

میں اس مقام پر یہ کہہ سکتا ہوں کہ ان تمام مقامات کا حصول قلب اور روح کے ساتھ مخصوص ہے اور خاص الخاص لوگوں کے متعلق ان مقامات کا حصول نفس مطمئنہ میں بھی پایا جاتا ہے جہاں تک ظاہری قلب وجسم کا تعلق ہے وہ ان حقائق سے محروم اور خالی رہتا ہے جو قلب اور روح پر وارد ہوتے ہیں صرف اتنی بات ہے کہ دونوں کا ہمنوانہ ہونے سے تیزی اور شدت میں کمی آ جاتی ہے۔

کسی شخص نے حضرت ابوبکر شبلی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ آپ محبت کا دعویٰ کرتے ہیں مگر آپ کا جسم بہت موٹا ہے یہ موٹاپا محبت والوں کے منافی ہے شبلی نے جواب میں یہ شعر پڑھا

احب قلبی ومادری بدنی
ولووریٰ ماامام فی الشمس

(میرے قلب نے محبت کی لیکن میرے جسم کو اس کی خبر تک نہیں اگر بدن کو معلوم ہو جاتا تو محبت کی آگ میں سوکھ جاتا۔)

اندریں حالات اگر کسی کامل مرد خدا کے جسم یا قلب میں ان کے روحانی مقامات کے منافی کوئی چیز نظر آئے تو اس بزرگ کے باطن کی طرف نسبت کرتے ہوئے ان مقامات میں یہ چیزیں کوئی نقصان نہیں دیتی اور ناقص آدمی (غیر کامل) میں ان مقامات کے نقائص اس کی مجموعی حقیقت میں ظاہر ہوتے ہیں ظاہر اور باطن میں دنیا کی طرف راغب ہوتا ہے اور توکل کے خلاف اس سے بعض امور ظاہر ہونے لگتے ہیں پھر اس کے قالب اور جسم میں دونوں میں بے صبری کی علامت سامنے آنے لگتی ہیں اور اس کے روح ارو بدن دونوں میں کراہت اور ناپسندیدگی آ جاتی ہے یہی وہ چیزیں ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ اولیاء اللہ کے لئے حجابات بنا دیتا ہے اور اکثر لوت ان بزرگوں کے روحانی فیوض سے محروم رہ جاتے ہیں۔

ایسی چیزوں کو اولیاء اللہ سے ظاہر ہونے میں بعض حکمتیں بھی ہیں ایک دقیق حکمت تو یہ ہے کہ حق اور باطل میں امتیاز نہیں رہتا اور حق باطل پر ممتاز نہیں ہوتا یہ مقام اس دنیا میں جو ابتلاء

اور امتحان کی جگہ ہے لازمی ہے دوسری حکمت یہ ہے کہ وہ ایسی چیزوں کی موجودگی میں ترقی کرتے جاتے ہیں اور مختلف مدارج پر پہنچنے کے لئے کوشاں ہوتے ہیں اگر ایسی چیزیں اولیاء اللہ سے بالکل مرفوع ہو جائیں اور وہ ان نقائص سے پاک اور بے عیب ہو جائیں۔ تو ان کی ترقی کے راستے رک جاتے ہیں وہ ملائکہ کی طرح ایک بے عیب زندگی کے خوگر ہو جاتے ہیں پھر وہ ایک ہی مقام میں قید ہو کر رہ جاتے ہیں۔ آپ نے غور کیا کہ جلیل القدر ملائکہ بھی جس پاکیزہ مقام پر تھے اس سے سر مو ترقی نہیں کر سکے۔ والسلام علی من اتبع الھدی۔

اولیاء اللہ کا ظاہر اور باطن! یا الٰہ العالمین! یہ کیا چیز ہے جو تو نے اپنے اولیاء میں رکھ دی ہے اس کے روحانی اور جسمانی ظاہری اور باطنی سلسلہ پر نظر ڈالی جائے تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ اس کا باطن خضر کے چشمہ آب حیات کی طرح ہے جس کا ایک قطرہ چکھ لینے سے حیات ابدی مل جاتی ہے اور ان کا ظاہر زہر قاتل کی طرح ہے جس میں ان کے ظاہر کی طرف دیکھ کر دل میں کدورت یا نفرت بھری وہ ابدی روحانی موت کا شکار ہو جاتا ہے یہ تیرے وہ بندے (بزرگ) ہیں جن کا باطن رحمت اور ان کا ظاہر رحمت ہے ان کے باطن پر نگاہ ڈالنے والے انہی میں شمار ہونے لگتے ہیں مگر ان کے ظاہر کو دیکھنے والے بعض اوقات بدمذہبی کے گڑھے میں جا گرتے ہیں بظاہر کھاتے نظر آتے ہیں مگر حقیقت میں بخشے جاتے ہیں ظاہر میں عام انسانوں کی طرح ہیں باطن میں فرشتوں کے ہم نشین ہیں ظاہری طور پر انہیں کی پستیوں پر چلتے ہیں باطنی طور پر آسمانوں سے بلند مقام ہوتے ہیں ان کی مجلس میں بیٹھنے والے بدبختوں سے پاک ہو جاتے ہیں ان سے محبت کرنے والے سعادتوں کے امین ہوتے ہیں اولئک حزب اللہ الا ان حزب اللہ ھم المفلحون۔ (یہ اللہ کی جماعت کے لوگ ہیں یاد رکھو اللہ کی جماعت ہی کے لوگ فلاح پانے والے ہیں) وصلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا محمد وآلہ وسلم۔

اولیاء اللہ اپنے آپ کو پوشیدہ رکھتے ہیں! اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں اولیاء اللہ کو اس طرح پردوں میں چھپایا ہوا ہے کہ بعض اوقات ان کے ظاہر (جسم) کو ان کے باطن قلب

کی خبر نہیں ہوتی دوسرے لوگوں کی تو بات ہی کیا وہ اپنے آپ سے بے خبر ہوتے ہیں ان کے باطن کو جو نسبت بے کیفی اور بے علتی سے حاصل ہوتی ہے وہ بھی بے کیف اور بے مثال ہے ان کا باطن چونکہ عالم امر سے تعلق رکھتا ہے لہذا وہ خود بھی بے کیف اور بے مثال ہوتے ہیں ان کا باطن چونکہ عالم امر سے تعلق رکھتا ہے لہذا وہ خود بھی اس بے کیفی سے حصہ لیتے ہیں وہ ظاہری طور پر دنیا کے اسباب وعلل میں گرفتار نظر آتے ہیں مگر ان کی حقیقت کی کسی کو خبر نہیں ہوتی۔ بعض اوقات وہ انتہائی جہالت اور عدم مناسبت سے اپنے مقام سے انکار بھی کر دیتے ہیں اور اپنی نسبت سے بے راز دکھائی دیتے ہیں لیکن کبھی اس نسبت کا اعتراف بھی کر لیتے ہیں لیکن یہ نہ سمجھ سکے کہ اس نسبت کا تعلق کس ذات سے ہے اکثر ایسا ہوتا ہے کہ یہ نسبت بہت ہی بلند ہے اور اس کے مقابلے میں ظاہر بہت ہی پست ہے باطن خود بھی اس نسبت سے مغلوب ہے اور دیدہ ودانش کی حدود سے بلند ہو چکا ہے اسے کیا معلوم کہ وہ کیا رکھتا ہے اور کس کے ساتھ رکھتا ہے لہذا ہمارے لئے کوئی چارہ کار نہیں کہ معرفت سے عجز کا اظہار کر لیا جائے اور یہ اعتراف کر لیا جائے کہ معرفت کی طرف راہ ہی نہیں ملتی۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا **العجز عن درک الادراک ادراک** (یعنی ادراک کو حاصل کرنے سے عاجزی ہی ادراک ہے) یہاں ادراک سے مراد وہ خصوصی نسبت ہے جس کے ادراک سے عجز ہی ضروری ہے کیونکہ صاحب ادراک مغلوب ہوتا ہے اور وہ اپنے ادراک کو نہیں جان سکتا دوسرے لوگ بھی اس کے حال کو نہیں جان سکتے۔

اعتقادی بدعت کے نقصانات! ہم نے ایک ایسے شخص کو دیکھا جو صوفی تو تھا ہی صوفیانہ زندگی بسر کر رہا تھا مگر وہ اعتقادی بدعت میں گرفتار تھا (بد اعتقاد صوفیا بزعم خود خدا رسیدہ بنتے ہیں مگر ان کے عقیدہ کی گندگی انہیں ابھرنے نہیں دیتی اگر وہ اپنے دعووں کے باوجود ترقی سے محروم رہتے ہیں) مجھے اس شخص کے متعلق بڑی فکر ہوئی کہ یہ کیسا آدمی ہے صوفی بھی ہے اور بدعقیدہ بھی اتفاقاً میں نے ایک دن دیکھا کہ تمام انبیاء کرام صلواۃ اللہ علیہم ایک مجمع میں تشریف فرما ہیں وہ شخص بھی آیا مگر اسے وہاں سے ہٹا دیا گیا اور اعلان ہوا کہ (لیس منا) یہ ہم

میں سے نہیں ہے! اسی اثنا میں میرے دل میں خیال آیا۔ایک اور شخص جس کے متعلق میں متردد تھا کے متعلق بھی دریافت کرلوں حضرت امام الانبیاء نے فرمایا (کان منا) یہ ہمارا ہے
متشابہات کی تاویلیں! مجھے قضاوقدر کے کارکنوں نے اس راز سے آگاہ کیا ہے کہ الفاظ قرب معیت احاطہ حق جن کا ذکر قرآن پاک میں آتا ہے تمام متشابہات ہیں اسی طرح لفظ ید اور وجہہ بھی متشابہات میں سے ہیں۔اول۔آخر۔ظاہر، باطن اور ان جیسے سینکڑوں الفاظ جو قرآن پاک کے مختلف مقامات پر پائے جاتے ہیں وہ متشابہات میں سے نہیں ہم اللہ کو قریب مانتے ہیں مگر اولیت کے مقام کا تعین نہیں کرسکتے ہمارے علم وفہم سے یہ عام چیزیں بلند تر ہیں اللہ تعالیٰ تو ان تمام احساسات سے منزہ اور بلند تر ہے جو ہمارے کشف اور مشاہدہ میں آسکتے ہیں بعض صوفیا نے اپنے کشف اور مشاہدہ کے بلند وبالا دعوے کر کے بتایا ہے کہ وہ قرب اور معیت کے مقامات سے واقف ہیں ہمارے نزدیک ان صوفیا کے دعوے مستحسن نہیں ہیں انہوں نے فرقہ مجسمیہ (جو اللہ کے جسم کا قائل ہے) کے نظریات سے متاثر ہوکر یہ دعوے کیے ہیں۔بعض علماء کرام نے ان دعوؤں کی تاویلیں کر کے علمی راہنمائی فرمائی ہے ہمارے نزدیک وہ بھی علمی قرب ہے ید کی تاویل قدرت کے لفظ سے کی ہے وجہہ تاویل ذات سے کی ہے یہ بات ان لوگوں کے لئے قابل تسلیم ہے جو تاویل کرنے کو جائز سمجھتے ہیں ہم تو تاویلات کو جائز ہی نہیں سمجھتے اور ان تمام علمی تاویلات کو اللہ کے حوالے کرتے ہیں۔

اتباع رسول کی اہمیت! میرا یہ معمول تھا کہ کبھی تو میں نماز وتر شروع رات کے آخری حصہ میں تہجد سے پہلے ادا کرتا۔ایک رات میں نے دیکھا کہ نماز وتر دیر سے ادا کرنے کی صورت میں جب نمازی ایک بار سو جاتا ہے تو اس کی نیت یہ ہوتی ہے کہ آخری رات میں وتر کی نماز ادا کرے گا۔اس طرح اس کی نیکیاں لکھنے والے فرشتے عشا کی نماز سے لے کر وتروں کی ادائیگی تک نیکیاں درج کرتے رہیں گے چنانچہ وتر جس قدر دیر سے ادا ہوگی فرشتے اس کے نامہ اعمال میں زیادہ نیکیاں لکھیں گے وتر کی نماز کی ادائیگی میں دیری میں یہی ایک وجہ ہے کہ میرے نزدیک وتروں کی ادائیگی کی اول رات یا آخر رات ادا کرنے میں حضرت

سید المرسلین ﷺ کی پیروی مد نظر تھی۔ میرے نزدیک دنیا کی کوئی فضیلت حضور نبی کریم ﷺ کی پیروی سے بڑھ کر نہیں ہے۔ حضرت رسالت مآب ﷺ بعض اوقات وتر کی نماز اول شب میں ادا فرما لیا کرتے تھے کبھی آخری شب۔ میں تو اسی بات کو سعادت سمجھتا ہوں کہ ہر کام میں حضور ﷺ کی اتباع ہو۔ کئی لوگ بعض سنتوں کی ادائیگی کے سلسلہ میں شب بیداری کی نیت اور اس جیسی باتوں کو دخل دیتے ہیں ہم تو ہزاروں راتوں کی بیداری کو سید المرسلین ﷺ کی اتباع پر قربان کرتے ہیں اور حضور کی اتباع کے مقابلہ میں بڑی سے بڑی فضیلت کو دانہ جو کے برابر بھی نہ خریدیں۔

ایک بار مجھے رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف بیٹھنے کا موقع ملا احباب کو جمع کیا اور کہا کہ اعتکاف میں حضور ﷺ کی اتباع اور پیروی کے علاوہ کسی عمل کو قابل عمل نہ سمجھا جائے۔ کیونکہ ہمارا دنیوی امور سے علیحدگی کا مقصد صرف اور صرف اتباع رسول ﷺ ہے ہمیں حضور کی پیروی نصیب ہو جائے تو سو گرفتاریاں قبول کرنے کو تیار ہیں حضور ﷺ کی اتباع کے بغیر کسی قسم کا انقطاع یا اعتکاف قبول نہیں

آنرا کہ درسرائے نگاریست فارغ است
از باغ بوستان وتماشائے لالہ زار

(جس کے گھر میں محبوب کی جلوہ فرمائیاں میسر ہوں۔ اسے باغ بوستان و لالہ زاروں کے نظارے کی کیا ضرورت ہے)

محبت ذاتی ومحبت صفاتی میں امتیاز! ایک مرتبہ میں درویشوں کی جماعت کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا میں نے حضور سید الانبیا ﷺ کی محبت کے جذبہ میں سرشار ہو کر کہہ دیا کہ میں تو اللہ کو اس لئے اپنا معبود مانتا ہوں کہ میرے حضور کا معبود ہے اور رب ہے۔ حاضرین نے میری اس بات سے حیرت زدہ ہو گئے لیکن وہ میری مخالفت میں لب کشائی نہ کر سکے میرا یہ دعویٰ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کے اس قول کے خلاف تھا۔ ''میں نے حضور نبی کریم ﷺ کو خواب میں گزارش کی تھی یا رسول اللہ مجھے اللہ کی محبت نے اس قدر مغلوب کر لیا ہے کہ اب

آپ کی محبت کے لئے میرے دل میں کوئی جگہ نہیں رہی ۔" حضرت رابعہ بصری کی بات ان کے سکر کی نشاندہی کرتی ہے جب کہ میری بات اصلیت رکھتی ہے انہوں نے یہ بات عالم سکر میں کہی تھی اور میں نے ہوش (صحو) میں کہی تھی ان کی بات مرتبہ صفات میں ہے اور میری بات مرتبہ ذات سے لوٹ آنے کے بعد کی ہے۔

مرتبہ ذات میں اس قسم کی محبت کی گنجائش نہیں تمام نسبتیں نیچے رہ جاتی ہیں وہاں تو سراسر حیرت یا جہالت ہے بلکہ اس مرتبہ میں انسانی ذوق کے ساتھ محبت کی نفی بھی کرتا ہے اور کسی طرح بھی اپنے آپ کو اللہ کی محبت کے اہل نہیں سمجھتا محبت اور معرفت صرف مرتبہ صفات میں ہوتی ہے مرتبہ ذات میں نہیں ہوتی ۔ چنانچہ لوگوں نے جسے محبت ذاتی کہا اس سے مراد صرف ذات احدیت نہیں بلکہ اس سے مراد ذات ہے جس کے ساتھ ذات کے کچھ اعتبارات بھی شامل ہیں حضرت رابعہ بصری کی محبت مرتبہ صفات میں تھی ۔ والصلوٰۃ والسلام علی سید البشر و آلہ الاطہر!

علم ظاہر پر علم باطن کی برتری! علم کی فضیلت ارباب علم کے رتبہ اور شرف کے مطابق ہوتی ہے یہ دیکھا جاتا ہے کہ معلومات کا ذخیرہ جس پر علم کی بنیاد ہے کتنا قیمتی اور گراں قدر ہے جس قدر معلومات بلند ہوں گی علم بھی اسی قدر بلند ہوگا علم باطن جو صوفیاء کرام کی وراثت ہے تمام ظاہر علوم سے ممتاز اور افضل ہے علم ظواہر خواہ کس قدر وسیع ہو علم باطن تک نہیں پہنچ سکتا ۔ اس کی مثال یوں ذہن نشین کریں حجامت بنانے کا علم خواہ کتنا ہی وسیع اور پختہ ہو وہ ایک عالم فاضل اور دانشور کے علم سے بلند تر نہیں ہو سکتا۔ دنیا کے مختلف علوم وفنون (سائنس اور ٹیکنالوجی) خواہ انسان کو کتنی ہی بلندیوں اور آسائشوں تک لے جائیں روحانی علوم سے افضل نہیں ہو سکتے اسی طرح روحانی پیر و مرشد کے آداب کی رعایت علماء کرام کے شاگردوں کے آداب سے کہیں زیادہ ہوگی ۔ بال کاٹنے والے کپڑا بنانے والے استاد خواہ کتنے صاحب فن وکمال ہوں ان کے شاگرد اپنے استاد کے وہ آداب ملحوظ خاطر نہیں رکھیں گے جو علم وفضل کی دنیا میں علم حاصل کرنے والے شاگرد رکھتے ہیں یہی فرق ظاہر علوم کے علماء اور روحانی علوم کے صوفیا میں

پایا جاتا ہے پھر ہم دیکھتے ہیں کہ علم کلام اور فقہ کا استاد صرف و نحو والے استاد سے زیادہ بلند مرتبہ ہے اور نحو و صرف کا استاد مبتدی علوم کے استاد سے بلند تر ہوتا ہے فلسفی علوم کا استاد دینی علوم کے استاد سے فروتر ہے کیونکہ فلسفی علوم معتبر نہیں ہیں جب کہ دینی علوم اپنی اہمیت کے اعتبار سے پاکیزہ ہیں فلسفیوں نے اپنی لاطائل علمی موشگافیوں کے ساتھ ساتھ بعض چیزیں دینی اور قرآنی علوم سے بھی اخذ کی ہیں پھر ان میں اقدامات اور ترمیمات کر کے جعل مرکب بنا دیا ہے وہ عقل و خرد کی بھول بھلیوں میں پھنسے ہوئے ہیں جب کہ نبوت کا انداز عقل نظری سے بلند تر ہو کر روحانی بلندیوں تک پہنچتا ہے۔

پیر اور استاد کے حقوق! ہمارے نزدیک پیر و مرشد کے حقوق تمام حقوق سے برتر ہیں ۔ہم یہاں تک کہتے ہیں کہ پیر و مرشد کے حقوق سے دوسرے افراد کے حقوق کی کوئی نسبت ہی نہیں اللہ تعالیٰ کے انعامات اور سید المرسلین ﷺ کی عنایات کے بعد پیر و مرشد کا ایک ایسا مقام ہے جس کے حقوق سب پر حاوی ہیں سب سے بڑھ کر جو حقیقی مرشد ہیں وہ سید الانبیا ﷺ کی ذات والا صفات ہے اگر چہ انسان کی ظاہری پیدائش والدین سے ہوتی ہے (اور والدین اپنے حقوق میں حق بجانب ہیں) مگر پیر و مرشد معنوی اعتبار سے انسانی زندگی کی ابدی صلاحیتوں کو بہم پہنچاتے ہیں ۔پیر و مرشد ہی ایسی ذات ہے جو انسان کے قلب و روح کی گندگیاں صاف کرتا ہے اور ان کے اندرونی حصوں کو آلائشوں سے پاک کرتا ہے مریدوں کی روحانی اور قلبی غلاظتوں اور آلائشوں کو صاف کرنے کے عمل میں بعض اوقات پیر و مرشد کو خود اپنی ذات کو ملوث کرنا پڑتا ہے اور ان کے ہاں یہ چیزیں سرایت کرتی ہیں اور انہیں ایک عرصہ تک مکدر اور گدلا رہنا پڑتا ہے پیر ہی ہے جس کی راہنمائی سے لوگ خدا رسیدہ ہوتے ہیں پیر ہی ہے جس کی توجہ سے نفس امارہ جو اپنی ذات میں خباثتوں کا مرجع ہے تزکیہ حاصل کرتا ہے اور پاک و صاف ہو کر مطمئنہ ہو جاتا ہے وہ آمادگی سے اطمینان کے مقام پر پہنچ جاتا ہے اور جبلی کفریات کو چھوڑ کر اسلام حقیقی تک رسائی حاصل کرتا ہے۔

گر بگویم شرح ایں بے حد شود

(اگر میں اس موضوع پر تفصیلی گفتگو کروں تو وہ ایک بہرنا پیدا کنار نظر آئے)

لہٰذا اگر کوئی پیر کامل اپنے مرید کو قبول کرے تو اس سے بڑھ کر اس کی سعادت کیا ہو سکتی ہے اگر ایک مرید پیر و مرشد کی نگاہ میں گرا دیا جائے تو اس کی بدبختی اور کیا ہو سکتی ہے۔ ونعوذباللہ من ذالک۔

سالکان طریقت نے اللہ کی رضا کو پیر کی رضا کے پس پردہ کہا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ پیر کی رضا ہی اللہ تعالیٰ تک رہنمائی کرتی ہے جب تک مرید اپنے پیر کی رضا میں اپنے آپ کو گم نہ کر دے وہ خدا تک رسائی حاصل نہیں کر سکتا مرید کی سب سے بڑی غلطی پیر کا دل دکھانا ہے۔ ہر لغزش اور غلطی کا تدارک ہو سکتا ہے مگر پیر کی دل آزاری کا تدارک نہیں ہو سکتا پیر کی ناراضگی مرید کی شقاوت اور بدبختی بن جاتی ہے۔

اعتقادات اسلامیہ اور احکام شرعیہ میں سب سے بڑا نقص اور خلل پیر و مرشد کی نافرمانی سے پیدا ہوتا ہے۔ احوال ووجدانیات جن کا تعلق باطن سے ہے وہ تو ایک لغزش سے منہدم ہو جاتے ہیں پیر و مرشد کی ایذا رسانی اور نافرمانی کے باوجود اگر کوئی کمال مریدین میں موجود رہتا ہے۔ روحانیت نہیں۔ استدراجی بلندیاں ایک نہ ایک دن پیوست زمین ہوتی ہیں اور خرابی اور نقصان کا شکار ہوتی ہیں۔

لطائف ستہ کا مقام! قلب کا تعلق عالم امر سے ہوتا ہے اسے عالم خلق سے وابستگی عطا کرے عالم خلق کی طرف بھیجا گیا ہے اور گوشت کے اس ٹکڑے (دل) کے ساتھ جو بائیں پہلو میں ہوتا ہے خصوصی تعلق عطا کیا گیا ہے ہم یوں کہہ سکتے ہیں جس طرح ایک شہنشاہ کو ایک بھنگن سے عشق ہو جائے اور وہ وارفتہ ہو کر اس بھنگن کے گھر آ جائے روح قلب سے بھی لطیف تر ہے جس طرح قلب (دل) کا مقام بائیں پہلو میں ہے اسی طرح روح بائیں پہلو میں جلوہ فرما ہے روح کے اوپر تین لطیفے ہیں۔ وہ خیر الامور اوسطھا۔ (معاملات میں بہترین درمیانی معاملہ ہے) کے شرف سے مشرف ہے لطیفہ جس قدر لطیف تر ہو وہ وسط سے مناسبت رکھتا ہے۔ مگر لطیفہ سر اور لطیفہ خفی دونوں لطیفہ اخفی کے دونوں طرف ہوتے ہیں ان میں

سے ایک دائیں اور دوسرے بائیں طرف واقع ہے۔لطیفہ نفس اور جو اس کے قریب واقع ہے اور دماغ سے تعلق رکھتا۔لطیفہ قلب کی ترقی اسی لطیفہ سے وابستہ ہے۔وہ روح کے مقام اور روح اس کے اوپر کے مقام میں رسائی قائم کرتا ہے اسی طرح روح اور اس کے اوپر والے لطائف کی ترقی بھی اسی پر منحصر ہے وہ اوپر کے مقامات پر رسائی حاصل کرتے رہتے ہیں مگر یہ رسائی شروع میں احوال کے طریقہ پر حاصل ہوتی ہے اور آخر میں مقام کے طور پر، نفس کی ترقی اس وقت ہوتی ہے جب وہ شروع میں بطور احوال اور آخر میں بطور مقام کے قلب کے مقام پر پہنچ جائے آخر کار یہ چھ کے چھ لطائف اخفٰی میں پہنچ جاتے ہیں اور سب کے سب مل کر مقام قدس کی طرف پرواز کرنے کا ارادہ کرتے ہیں لطیفہ قالب کو خالی چھوڑ دیتے ہیں لیکن یہ پرواز بھی ابتداء میں بطور احوال ہوتی ہے اور آخر میں بطور مقام اس وقت مقام فنا حاصل ہوتا ہے۔

موت سے پہلے موت کی وضاحت! صوفیاء کرام نے جس موت کو موت سے پہلے قرار دیا ہے (موتو قبل ان تموتو) اس سے مراد یہ ہے کہ لطیفہ قالب سے یہ چھ لطائف جدا ہو جاتے ہیں ہم ان لطائف کا جسم سے جدائی کا مقام اور اثرات پہلے بیان کر آئے ہیں یہاں ان تفصیلات کی گنجائش نہیں۔ہم اس جگہ محض اشاروں اور کنایوں میں اظہار خیال کریں گے یاد رہے کہ یہ ضروری نہیں کہ تمام لطیفے ایک جگہ جمع ہو جائیں اور اعلیٰ پرواز کریں کبھی قلب اور روح دونوں مل کر کام کرتے ہیں کبھی تینوں اور کبھی چاروں لطیفے کام کرتے ہیں مگر ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ چھ لطیفوں کا مل کر پرواز کرنا یہ بات زیادہ عمدہ اور قابل اعتماد ہے یہ ولایت محمدی کے ساتھ مخصوص ہے اور اس کے علاوہ جو بھی صورت سامنے آتی ہے وہ بھی ولایت کی اقسام سے ایک ہے اور یہ چھ کے چھ لطیفے جسم (قالب) سے جدائی اختیار کر لیتے ہیں اور مقام قدس تک رسائی حاصل کر لینے اور اس کے رنگ میں رنگے جانے کے بعد اگر قالب کی طرف لوٹ آئیں اور وہ سوائے محبت کے تعلق کے اور تعلق پیدا کر لیں تو وہ قالب کا حکم اختیار کر لیتے ہیں اور ایسی اختلاط کے بعد ایک قسم کی فضا پیدا کرتے ہیں اور مردہ کا حکم اختیار کر لیتے ہیں ہیں اس

وقت ایک خاص تجلی سے منور ہوتی ہے اور ازنو حیات پیدا کرتے ہیں اور بقا باللہ کے مقام پر راسخ الاعتقاد ہو جاتے ہیں اور خدائی اخلاق کے ساتھ آراستہ و پیراستہ ہو جاتے ہیں اس وقت اگر انہیں وہ خلعت بخش دینا کی طرف واپس کردیں تو معاملہ قربت کے ساتھ انجام پاتا ہے اور تکمیل کا مقدمہ پیدا ہو جائے گا اگر دنیا کی طرف واپس نہ کریں اور قربت کے بعد ترقی حاصل نہ ہو سکے تو وہ اولیائے عزلت سے ہو جائے گا اور طالبین کی تربیت اور ناقص لوگوں کی تکمیل اس کے ہاتھ سے نہیں ہو سکے گی۔ ہم یہ گفتگو اشاروں اور کنایوں میں کر رہے ہیں اس کی تفصیلات میں بڑے بڑے مقامات ظاہر ہو سکتے ہیں بدایت اور نہایت (آغاز و انجام) کی منزلیں طے کیے بغیر ان مقامات کو سمجھنا نہایت مشکل ہے۔

کلام الٰہی کی حقیقت! اللہ تعالیٰ ازل سے ابد تک ایک ہی کلام سے متکلم ہے یہ ایسا مربوط کلام ہے کہ اس کے اجزا اور ٹکڑے نہیں کیے جا سکتے۔ کیونکہ اللہ نہ تو گونگا ہے اور نہ خاموش وہ ان تمام نقائص سے مبرہ اور پاک ہے یہ بات اہل طریقت کے ہاں تعجب کا باعث نہیں کہ ازل سے ابد تک وہاں ایک ہی آن (لمحہ) کا نام ہو کیونکہ اللہ کی ذات پر زمانہ کا اجراء نہیں ہوتا اس کی ذات ماضی حال اور مستقبل کی حدود سے بے نیاز ہے ایک آن واحد میں ایک غیر مرکب کلام کے سوا اور کیا واقع ہو سکتا ہے۔ اس کلام واحد سے مختلف تعلقات اعتبار سے کئی قسمیں پیدا ہو گئیں اور اسکا تعلق مامور (یعنی جسے حکم دیا جائے) سے ہے تو اسے امر (حکم) کہا جاتا ہے۔ اگر خبر دینے کے متعلق ہے تو خبر کہلائے گا ہم زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ گزشتہ یا آئندہ زمانہ کے متعلق کوئی خبر دینا بہت سے لوگوں کو مشکل میں ڈال دیتا ہے اور انہیں دلالت کرنے والی چیز کا تقدم و تاخر کی طرف لے جاتا ہے اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ اشکال نہیں ہے کیونکہ ماضی اور مستقبل دلالت کرنے اولی چیزوں کی مخصوص صفات ہیں تو جو اس آن (گھڑی) کے بسیط ہونے کی وجہ سے پیدا ہو گئی ہیں مدلول کے مرتبہ میں وہ لمحہ (گھڑی) خود انہی حالت پر ہے اور کسی قسم کا بسط اور انبساط پیدا نہیں ہوا لہذا اس مرتبہ میں گزشتہ اور آئندہ زمانوں کی گنجائش نہیں ہے۔ فلاسفہ (منطق و معقول کے علماء) نے تسلیم کیا ہے کہ ایک میں

حقیقت (ماہیت) کے لئے وجود خارجی کے اعتبار سے لوازمات علیحدہ ہوتے ہیں اور وجود ذہنی کے اعتبار سے صفات جدا ہوتی ہیں جب کہ ایک ہی چیز میں مرتبہ وحدت کے مختلف ہونے کے اعتبار سے صفات ولوازم کا جدا جدا ومختلف ہونا جائز ہوسکتا ہے اور دال مدلول میں درحقیقت ایک دوسرے سے الگ الگ نہیں یہ تغایر درتغایر بدرجہ اولی موجود ہے اور ہم نے اوپر کہا ہے کہ ازل سے ابد تک ایک ہی آن (لحہ) ہے تو یہ تعبیر کی تنگ دامانی کی وجہ سے ہے ورنہ وہاں تو اس کی بھی گنجائش نہیں۔ یہاں تو آن واحد بھی گراں ہے۔

امکانی حدود سے آگے ازل وابد ایک نکتہ پر متحد ہو جاتے ہیں! اہل علم کے ہاں یہ حقیقت تسلیم شدہ ہے کہ ممکن جب قرب الٰہی کے مقامات میں دائرہ امکان سے باہر قدم رکھتا ہے تو وہ ازل اور ابد تک کو متحد پاتا ہے۔ سرور دو عالم ﷺ جب شب معراج کو عروج پر پہنچے تو آپ نے حضرت یونس علیہ السلام کو مچھلی کے پیٹ میں دیکھا تھا آپ نے ایک لحہ کے لئے طوفان نوح کی ساری کیفیت ملاحظہ فرمائی تھی۔ پھر اہل بہشت کو بہشت میں دیکھا اور دوزخیوں کو دوزخ میں جلتے دیکھا اور بہشت میں داخل ہونے والوں کے پانچ سو سال کے عرصہ انتظار کو بھی مشاہدہ فرمایا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ امیر صحابہ میں سے تھے جب آپ دیر سے بہشت میں پہنچے تو سرکار دو عالم ﷺ نے آپ سے دیر سے آنے کی وجہ پوچھی تو انہوں نے اپنے دشوار گزار راستوں اور مشکلات کی تفصیل بیان کی تھی حالانکہ حضور ﷺ نے ان تمام چیزوں کو ایک آن میں مشاہدہ کر لیا تھا اس میں گزشتہ یا آئندہ زمانوں کا کوئی امکان نہ تھا۔ مجھے (مجدد الف ثانی) حضور سید الانبیا ﷺ کے طفیل کئی بار ایسے مقامات سے گزرنا پڑا میں نے ملائکہ کو عین سجود کی حالت میں پایا۔ یہ وہ ملائکہ تھے جو حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کر رہے تھے میں نے دیکھا کہ ابھی حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے اپنا سر بھی نہیں اٹھایا تھا پھر وہ فرشتے جنہیں سجدہ کا حکم نہیں دیا گیا انہیں علیحدہ کھڑے دیکھا تھا وہ تمام حالات جو آخر میں دکھائے جاتے ہیں ایک آن میں نظر آ گئے چونکہ اس واقعہ پر ایک عرصہ گزر گیا ہے مجھے احوال آخرت کی تفصیل بیان کرنے کا اختیار نہیں میں اپنے حافظے

پر اعتماد نہیں کر سکتا۔

معراج نبوی اور عروج اولیاء میں فرق! یاد رہے معراج میں جو واقعات سامنے آئے تھے وہ حضور ﷺ کے جسم اور روح دونوں کو پیش آئے تھے بلکہ آپ نے جو مشاہدات کیے وہ ظاہری آنکھ اور باطنی بصیرت دونوں سے کیے تھے حضور کے بعد دوسرے لوگوں کو (جو آپ کے طفیلی ہیں) ایسے واقعات محض روحانی ہیں اور وہ بھی ایسے واقعات جو حضور کی طبیعت میں دکھائی دیں یہ سارے واقعات روح اور بصیرت کے دائرہ میں نہیں۔ ان پر جسمانی اور ظاہری آنکھوں کی رسائی نہیں ہوتی۔

در قافلہ کہ اوست دانم نرسم

ایں بسکہ زدور بانگ جرسم

(جس قافلہ میں وہ ہے میں اس تک نہیں پہنچ سکتا۔ ہاں اتنی دور سے میں اس قافلہ کی گھنٹیاں سن پاتا ہوں)

وعلیه وعلی آله الصلوات والتسلیمات

تکوین کیا ہے؟! تکوین اللہ تعالیٰ کی حقیقی صفات میں سے ایک صفت ہے امام ابوالحسن اشعری (اشاعرہ) اسے صفات اضافیہ میں شمار کرتے ہیں اور قدرت اور ارادہ خداوندی کو ہی ایجاد عالم کے لئے کافی سمجھتے ہیں لیکن ہمارے نزدیک قدرت اور ارادہ کے علاوہ تکوین ایک حقیقی صفت ہے ہم اس کی وضاحت یوں کریں گے۔

قدرت کا مطلب یہ ہے کہ کسی کو کام کرنے یا اسے چھوڑنے کا اختیار ہو۔ ارادہ کا یہ معنی ہے کہ کسی فعل کے کرنے یا نہ کرنے کو مخصوص اور متعین کر لیا جائے اس طرح قدرت کا درجہ ارادہ کے درجہ سے اعلیٰ ہے اور تکوین جسے ہم صفات حقیقیہ میں سمجھتے ہیں اس کا درجہ قدرت اور ارادہ کے درجوں کے بعد آتا ہے اس حقیقت کا کام اس خاص کردہ جہت کو وجود میں لانا ہے لہذا قدرت تو کام کرنے کی جہت کو درست کرتی ہے دوسرے لفظوں میں قدرت سے فعل کی درستگی عمل میں آتی ہے اور ارادہ فعل کی جہت کو خاص کرنے والی صفت ہے اور تکوین اسے وجود میں

لانے والی ہے لہذا تکوین کو صفت ماننے بغیر چارہ کار نہیں اس کی یہی صورت ہے جو استطاعت مع الفعل کی ہوتی ہے جسے علماء اہلسنت نے بندوں میں ثابت کیا ہے اور کوئی شک نہیں کہ ایسی استطاعت نبوت قدرت کے بعد ہی ہو سکتی ہے بلکہ یہ ارادہ کے تعلق کے بعد ہوتی ہے اور وجود بخشی کا تحقق (ثبوت) اسی استطاعت کے ساتھ وابستہ ہے بلکہ وہ استطاعت ہی فعل کی حیثیت ضروری قرار دیتی ہے اس کے بالمقابل ترک کی جہت مفقود ہے۔

تکوین کی صفت کا حال بھی کچھ ایسا ہی ہے وجود بخشی بطور ایجاب یعنی واجب اور ضروری قرار دینے کے ہوتی ہے لیکن یہ ایجاب (ضروری قرار دینا) واجب تعالیٰ کی ذات میں کوئی ضرر نہیں دیتا کیونکہ اس کا ثبوت صفت قدرت اور صفت ارادہ کے متحقق ہو جانے کے بعد ہوتا ہے قدرت کے معنی فعل (کرنے) یا ترک (یعنی چھوڑنے) کے ہے اور ارادہ کا معنی قدرت کے فعل کا خاص کر لینے کے ہے۔

فلسفہ دانوں نے ہمارے اس نظریے کے خلاف نظریہ قائم کیا ہے انہوں نے اگر چاہے تو پیدا کر سکتا ہے کو واجب الصدق خیال کر لیا ہے اور ترک کو ممتنع الصدق قرار دیا جاتا ہے اور صفت ارادہ کی نفی کر دی ہے اس نظریہ کے مطابق ایجاب صریح لازم آتا ہے۔

وہ ایجاب جو ارادہ کے تعلق اور دو زیر قدرت جہتوں میں سے یک جہت کی تخصیص کے بعد پیدا ہوتا ہے وہ اختیار کو لازم کر دیتا ہے بلکہ اختیار کی تاکید کرتا ہے اسے نفی کرنے والا نہیں فتوحات کے مولف (حضرت محی الدین ابن عربی) کا کشف حکماء کی رائے کے موافق واقع ہوا ہے وہ قدرت کے سلسلہ میں واجب الصدق سمجھتے ہیں اور دوسروں کو ممتنع الصدق تو اس طرح ایجاب کو لازم کر لینا ہی ہے اس نتیجہ میں ارادہ بالکل بے کار ہو جاتا ہے کیونکہ دوسرا بڑی جہتوں میں ایک جہت کو خاص کر لینا یہاں پایا ہی نہیں جاتا ہاں اگر تکوین کی صفت میں ایجاب کا اثبات کریں تو اس کی گنجائش نکل سکتی ہے کیونکہ وہ تو ایجاب کے شائبہ سے مبرا اور پاک ہے یہ بہت ہی باریک نکتہ سے ہے جسے ہر شخص نہیں سمجھ پاتا مجھے یہ دعویٰ ہے کہ اس باریک نکتہ کو متعلقہ اہل تصوف میں سے کسی نے بیان نہیں کیا علمائے ماتریدیہ نے اس صفت کا اثبات کیا

ہے لیکن وہ بھی اس نکتہ کی باریکی کی طرف نہیں گئے ماتریدیہ کو سنت نبویہ علیہ التسلیمات کی پیروی سے ہی حاصل ہوا ہے وہ اپنے افکار ونظریات میں تمام متکلمین ۔فلاسفہ اور صوفیا سے ممتاز مانے جاتے ہیں میں خود بھی ماتریدیہ (اتباع سنت کرنے والے) کے خوشہ چینوں میں سے ہوں ہماری دعا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں ان کے نظریات پر قائم رکھے اور حضور کی اتباع سنت پر قائم ودائم رکھے۔

رویت باری تعالیٰ! آخرت میں مومنوں کو دیدار الٰہی کی دولت ملے گی ۔یہ اہلسنت کا عقیدہ ہے اسلام کے دوسرے فرقے اور فلاسفہ رویت باری تعالیٰ کے قائل نہیں ہیں ۔ان کے انکار کی بنیاد یہ ہے غائب کو حاضر پر خیال نہیں کرنا چاہیے لیکن ہمارے لئے ان کی بنیاد غلط اور فاسد ہے نظر آنے والی ہستی جب کہ بے چوں و بے چگوں ہے ۔اس کا دیدار اور رویت بھی بے چوں و بے چگوں ہوگا اور اس پر ایمان تو لایا جاسکتا ہے مگر اس کی کیفیت میں مشغول نہیں ہوا جاسکتا اور یہ بات قطعاً نہیں کہی جاسکتی کہ وہ کیسا ہے؟ کیوں ہے؟ قدرت نے اس راز کو اپنے چند خصوصی اولیاء اللہ پر کھولا ہے جو کچھ وہ مشاہدہ کرتے وہ رویت حق تو نہیں مگر اسے ہم حق کی رویت سے دور بھی نہیں کہہ سکتے آج ہم یہ محسوس کرتے ہیں گویا ہم اللہ کی ذات کو دیکھ رہے ہیں مگر قیامت کے دن تو اسے سر کی آنکھوں سے دیکھیں گے اس مشاہدہ حق اور رویت باری تعالیٰ کے باوجود اس کی ذات کا ادراک نہیں کرسکیں گے ۔ **لاتدرکہ الابصار** (نگاہیں اس کا ادراک نہیں کرسکیں گی) صرف دو چیزیں معلوم ہوسکیں گی ایک تو اس بات کا یقینی علم کہ وہ دیکھ رہے ہیں ۔دوسرے رویت حق کی وہ لذت جو صرف دیدار الٰہی کا حصہ ہے ان دو چیزوں کے علاوہ رویت کے تمام لوازمات مفقود ہوں گے۔

یاد رہے کہ رویت باری تعالیٰ کا مسئلہ علم کلام کے تمام مسائل سے باریک تر ہے اور مشکل بھی۔ عقل کی رسائی اس نکتہ تک نہیں ہے۔ یہ عقل سے نہ ثابت کیا جاسکتا ہے اور نہ اسکی صورت کشی کی جاسکتی ہے جو صوفیا اور علماء وانبیاء کی پیروی کرنے والے ہیں انہوں نے اپنے نور فراست سے دریافت کیا ہے انہیں یہ نور فراست حضور ﷺ کے انوار نبوت سے ملا ہے اسی طرح علم کلام

کے ہزاروں ایسے باریک مسائل ہیں جہاں عقل کی رسائی نہیں ہے علماء اہل سنت کو اللہ نے نور فراست سے نوازا ہے مگر صوفیہ کو نور فراست کے ساتھ ساتھ کشف اور شہود کی قوت بھی حاصل ہے۔

کشف اور فراست میں فرق؟! کشف وفراست میں ایسا ہی فرق ہے جس طرح اندازہ اور تخمینہ اور حسیات میں ہے فراست نظریات کو حدسیات بنا دیتی ہے جب کہ کشف انہیں حسیات بنا دیتا ہے ایسے تمام کشفی مسائل جنہیں اہل سنت مانتے ہیں دوسرے نظریات رکھنے والے حضرات نے انہیں عقلی پیمانے میں محدود کر دیا ہے۔ اہل سنت کے مخالفین ہر مسئلہ کو عقل کے معیار سے تسلیم کرتے ہیں اور یہ عقل وخرد کی دنیا فراست پر قائم ہے اور نور فراست ہی انہیں واضح کرتا ہے حالانکہ کئی چیزیں کشف کے مشاہدے سے سامنے ہوگی۔ دلیل (فکر ونظر) کے ساتھ ایسی حقیقتوں کو ثابت نہیں کیا جا سکتا کیونکہ میدان میں عقل محض نابینا اور ناکام ہے، ہم ان علماء کرام پر تعجب کیے بغیر نہیں رہ سکتے جو خود مقام استدلال میں آ کر کھڑے ہوتے ہیں اور زور دیتے ہیں کہ اپنی بات کو دلائل عقلیہ سے ثابت کریں اور مخالفین پر اپنی حجت پوری کر دیں مگر وہ اس بات پر قائم نہیں رہ سکتے ہیں۔ نہ ثابت کر سکتے ہیں مخالفین کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ جس طرح یہ مسائل نور معرفت اور کشف صحیح سے ثابت ہو چکا ہے دوسری طرف کے فلاسفہ جو دلائل اور نکات انہیں ثابت کرنے کے لئے پیش کرتے ہیں وہ کمزور بھی ہیں اور باطل بھی ہیں صرف دوز بانوں کا نزاع بن کر رہ جاتا ہے کہ ان میں اعراض باقی نہیں رہتے۔

اس مسئلہ کو ثابت کرنے کے لئے ان لوگوں کے پاس سب سے بڑی دلیل صرف یہ ہے کہ دوزمانوں میں اعراض باقی نہیں رہتا کیونکہ اگر عرض باقی رہ جائے تو یہ ماننا پڑے گا کہ عرض خود عرض ہی کے ساتھ قیام پذیر ہے حالانکہ ایسا ممکن نہیں مخالفین نے اس دلیل کو ناکارہ اور بے کار سمجھا اس لئے انہوں نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ یہ مسئلہ ہی ناقص ہے انہوں نے یہ خیال نہیں کیا کہ اس مسئلہ اور ایسے ہی دوسرے مسائل صرف نور فراست سے حل ہوا کرتے ہیں اور نور فراست انوار نبوت سے لیا گیا ہے لیکن یہ ہماری اپنی کوتاہی ہے کہ ہم صرف انداز وتخمینہ سے

متعلق چیزوں اور بدیہی باتوں کو مخالفین کی نگاہ میں نظری بنا بنا کر پیش کرتے ہیں اور تکلفات کے ساتھ ثابت کرنے کے لئے تاویلیں بحثیں کرتے چلے جاتے ہیں زیادہ سے زیادہ یہ ہوتا ہے کہ ہماری بدیہی چیزیں مخالفین کو متاثر نہیں کر سکیں گی۔ ہمیں اس بات کی پروا نہیں کرنی چاہیے ہم نے تو واضح طور پر تبلیغ اور ترغیب کرنا ہے کسی کو متاثر کرنا یا قائل کرنا ہمارا کام نہیں جس انسان کے اندر اسلامی دل و دماغ ہے۔ وہ درست سوچ کا مالک ہے اور حسن عقیدت کے جذبہ سے معمور ہے وہ یقیناً اسے قبول کرے گا جو شخص بے نصیب ہو اس کی طبیعت میں انکار اور کج بحثی ہی موجود ہو وہ یقینی طور پر ان باتوں کو تسلیم نہیں کرے گا اور اسے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔

ماتریدیہ کون ہیں؟! علمائے اہلسنت میں شیخ الاسلام شیخ ابو منصور ماتریدی رحمۃ اللہ علیہ کا طریقہ اور نظریہ بڑا موزوں اور مناسب ہے انہوں نے صرف مقاصد کو بیان کیا ہے فلسفیانہ موشگافیوں اور باریکیوں سے دور رہنے کی کوشش کی ہے فلسفیانہ انداز پر نظر و استدلال کا طریقہ علماء شیخ ابوالحسن اشعری قدس سرہ نے شروع کیا تھا۔ آپ بھی اہلسنت و جماعت کے مقتدر علماء دین سے ہوئے ہیں ان کی یہ خواہش تھی کہ مسائل شرعیہ اور اعتقادی نظریات کو فلسفیانہ استدلال سے ثابت کیا جائے یہ بات اگرچہ بڑی دشوار ہے مگر آپ نے (اپنے وقت کے تقاضوں کے پیش نظر) فکر و استدلال کو فلسفیانہ موشگافیوں سے بیان کیا ہے ان کے اس رویے سے مخالفین بھی دین اور اعتقادات کو فلسفہ کی زد میں لے آئے جس سے اہل سنت کو بڑا نقصان پہنچا مخالفین اکابر اہلسنت پر زبان درازیاں کرنے لگے اور انہیں یہ جرات ہوگئی کہ دین کا ہر مسئلہ عقل و خرد کے ترازو پر رکھ کر فلسفیانہ انداز سے پیش کریں اس طرح اہل سنت کی اعتقادی زندگی میں ایک انتشار رونما ہو گیا اور وہ اسلاف کی تعلیمات سے دور ہونے لگے جنہوں نے عقائد اور نظریات کی اصلاح کے لئے بڑا کام کیا ہے ابو منصور ماتریدی نے بڑی اہم کتابیں لکھی ہیں جن میں کتاب التوحید کتاب المقالات کیاب بیان المعتزلہ کتاب تردقرامطہ کتاب رد اصول خمسہ باہلی وغیرہ بڑی مشہور ہوئی تھیں۔ تاویلات قرآن ایسی کتاب ہے اپنی مثال آپ ہے اس نظریہ مذہب نے اسلامی دنیا کے ذہنی فتنوں کا نہ صرف مقابلہ کیا ہے بلکہ نظریات

کی اصلاح کی۔
اللہ تعالیٰ اہل حق کو ان معتقدات پر ثابت قدم رکھے جو انوار نبوت سے ثابت ہیں۔
درجہ یقین! اللہ تعالیٰ نے وَاَما بِنِعمَةِ رَبّک فَحَدِث۔(اور بہر حال اپنے پروردگار کی نعمت کو بیان کرایا کرو) اس آیت کریمہ میں میں اس نعمت عظمیٰ کا اظہار کرنا چاہتا ہوں جو مجھے علم کلام سے تعلق رکھنے والے اعتقادات کی بسبت جو اہل سنت و جماعت کی آرا کے مطابق واقع ہوئے ہیں اور ایسا یقین حاصل ہو چکا ہے جو مجھے دوسرے حقائق کی نسبت سے حاصل ہوا ہے ظن اور وہم دکھائی دیتا ہے دوسرے لفظوں میں یہ یوں کہوں گا کہ اگر کسی مسئلہ میں مجھے علم کلام کی نسبت سے یقین حاصل ہوا ہو اور دوسری طرف مجھے اہلسنت کی آرا اور اجماع سے یقین حاصل ہوتا تو وہ پہلے یقین سے بہتر ہے میں علم کلام کے نتیجے کو یقین کا لفظ بولنے پر افسوس کروں گا اہل خرد اور ارباب عقول اس بات کو مانیں یا نہ مانیں اور مجھے یقین ہے وہ اسے نہیں مانیں گے کیونکہ یہ ابحاث عقل کی روشنی میں ثابت نہ ہوں وہ اہل عقل نہیں مانتے اور ظاہر بھی عقل ہمیشہ ایسے مقامات پر انکار کرتی جاتی ہے اس معاملے کی حقیقت یہ ہے کہ یقین کرنا دل کا کام ہے اور یقین جو قلب کو حاصل ہوتا ہے وہ جواس کے ذریعے حاصل ہوتا ہے اور یہ حواس جاسوسوں کی طرح ادھر ادھر سے معلومات حاصل کر کے دل تک پہنچاتے ہیں۔ دوسری طرف وہ یقین جو علم کلام کے کسی مسئلہ کے متعلق حاصل ہوتا ہے وہ تعبیر اسی حواس کے ذریعے اور براہ راست ہوتا ہے جس طرح ہم یقین سے نتائج کو بارگاہ رب العزت سے بطور الہام حاصل کرتے ہیں اور اس میں کوئی ذریعہ اور واسطہ نہیں ہوتا لہذا علم کلام سے حاصل کردہ یقین علم الیقین کہلاتا ہے اور الہامی طور پر حاصل کردہ یقین عین الیقین ہوتا ہے۔ اب آپ محسوس کریں گے کہ ان دونوں کے درمیان کتنا فرق ہے!

شنیدہ کے بود مانند دیدہ

فنائے ارادہ! جب طالب حقیقی کا سینہ اللہ کے فضل و کرم سے تمام عارضوں اور خواہشات سے خالی ہو جاتا ہے اور اسے اللہ کی ہدایت کے بغیر کسی چیز کی طلب نہیں رہتی تو اسے وہ کچھ میسر

آ جاتا ہے جواس کی پیدائش کا مقصد اولین تھا۔اس مقام پر پہنچ کر وہ بندگی کی حقیقت کو بجالاتا ہے۔اس کے بعد اگر قدرت چاہتی ہے تو اسے ناقص لوگوں کی تربیت پر مقدور کر دیا جاتا ہے اور اسے اس دنیا کی طرف واپس بھیج دیا جاتا ہے اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو اپنی طرف سے ایک قوتِ ارادی عنایت فرماتا ہے اور اسے یہ اختیار دیا جاتا ہے کہ وہ قولی اور فعلی تصرفات میں مختار اور مجاز کی حیثیت سے کام کرے جس طرح ایک ایسا غلام جسے اس کا مالک اجازت دے دیتا ہے کہ اپنے مالک کے تصرفات کو ناقص کرتا رہے وہ مختار اور اجازت یافتہ ہوتا ہے یہ وہ مقام ہے جہاں ایک طالب اللہ کے فضل سے قرآنی اخلاق کے ساتھ آراستہ و پیراستہ ہو کر صاحب ارادہ بن جاتا ہے وہ دوسروں کے لئے جو کچھ چاہتا ہے کرتا جاتا ہے اس کے سامنے دوسروں کی بہتری اور دادرسی ہی پیش نظر ہوتی ہے وہ اپنی خواہش اور آرزو سے دست بردار ہوتا ہے اس کے احکام اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ ارادے کے تابع ہوتے ہیں اور یہ بلند ترین مقام اللہ تعالیٰ کی کمال عنایت سے ملتا ہے۔

یہ صاحب ارادہ جو کچھ خود چاہے وہی واقعہ میں آجائے۔ضروری نہیں بلکہ یہ جائز بھی نہیں۔کیونکہ ایسا سمجھنا شرک بھی ہے اور اللہ تعالیٰ ایسی بندگی کو برداشت نہیں کرتا۔اس کا ہر حکم اللہ کی رضامندی کے تابع ہوتا ہے یہی وہ مقام ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب مکرم ﷺ کو بھی فرمادیا تھا۔انک لا تهدی من احببت .ولکن الله یهدی من یشا۔(یارسول اللہ آپ اپنی مرضی سے کسی کو ہدایت نہیں دیتے ہاں جب اللہ تعالیٰ کی خواہش ہوتی ہے تو آپ اسے بجالاتے ہیں) جب سید المرسلین ﷺ کا ارادہ اللہ کی منشا کے بغیر توقع میں پڑسکتا ہے تو دوسروں کی وہاں کیا مجال یہ بھی ضروری ہے کہ صاحب ارادہ کی تمام مرادیں اور احکامات اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق ہوں۔اگر ایسا ہوتا تو حضور اکرم ﷺ کے بعض اقوال وافعال پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے تنبیہ نازل نہ ہوتی۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا ماکان لنبی (نبی کے لئے یہ بات مناسب نہیں پھر فرمایا کہ عفا الله عنک (خدا نے آپ کو معاف کر دیا) یاد رہے کہ معافی کا تصور تو کسی کوتاہی پر ہی ہوسکتا ہے اسے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا ان

تمام باتوں کے لئے نہیں ہے جو انسان سے ظاہر ہوتی ہیں جس طرح کفر اور گناہ اللہ تعالیٰ کے علم میں تو ہے مگر یہ اس کی رضا میں سے نہیں ہوتی۔ قرآن پاک میں وضاحت کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے بندوں سے کفر اور انکار کو پسند نہیں کرتا جب خود اللہ تعالیٰ کا ارادہ اور تخلیق اس کی مرضی کے خلاف ہو سکتا ہے تو جس بندے کو صاحب ارادہ کے مقام پر فائز کیا ہے اس کے بعض احکام اللہ کی مرضی کے خلاف بھی ہو سکتے ہیں۔

کلام اللہ کی راہنمائی! سلوک کی تمام منزلیں طے کرتے وقت مجھے کلام اللہ سے ہی راہنمائی ملتی رہی ہے اور میرے پیر و مرشد (شیخ خواجہ باقی باللہ قدس سرہ) قرآن پاک کی روشنی میں ہی میری راہنمائی فرماتے رہے۔ دوسرے لفظوں میں قرآن پاک ہی میرا پیر و مرشد ہے اگر مجھے قرآن پاک سے راہنمائی نہ ملتی تو محبوب حق کی عبادت کی کوئی راہ نہ نکلتی اس راستہ میں ہر لطیف سے لطیف چیز بھی۔ انا اللہ (میں خدا ہوں) کی صدائیں لگاتی سنائی دیتی ہے اور راستہ پر چلنے والے کو اپنی عبادت میں گرفتار کر لیتی ہے اگر وہ چیز ''چوں'' ہے تو آپ کو ''بے چوں'' ہونے کی صورت میں ظاہر کرتی ہے اور اگر تشبیہ ہے تو آپ کو ''تنزیہہ'' کی صورت میں سامنے لاتی ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں امکان وجوب کے ساتھ ملا ہوا ہے حدوث اور قدوم کے ساتھ خلط ملط ہے باطل حق کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے گمراہی کو ہدایت کی شکل مل جاتی ہے اندریں حالات سالک ایک اندھے مسافر کا نمونہ بن جاتا ہے اور ہر چیز کو دیکھ کر ھذا ربی (یہ میرا رب ہے) کہہ کر آگے بڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اپنے اوصاف میں خالق السموات والارض (آسمانوں اور زمینوں کا خالق) کہہ کر پکارتا ہے پھر وہ ''رب المشرق والمغرب'' (مشرق اور مغرب کا رب) بھی اپنی شان بیان کرتا ہے۔ میرے لئے بھی ایسے مشکل مکامات آئے۔ عروج کے وقت ان صفات کو خیالی معبودوں کی نشاندہی ہوئی۔ تو بے اختیار ان تمام اوصاف سے انکار کر کے صرف ذات خداوندی کا سہارا لیا اور وہ تمام خدشات ختم ہو گئے جو سالک کو اوصاف میں ہی رک جانے پر مجبور کرتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح ''لا احب الآفلین'' کی صدا لگاتے ہوئے غروب ہونے

اور غائب ہونے والے معبودوں سے منہ موڑتا گیا اور واجب الوجود کے سوا کسی کو بھی اپنا قبلہ توجہ نہیں بنایا۔ الحمد للہ الذی ھدانا لھذا وما کنا لنتھدی لو لا ان ھدٰنا اللہ لقد جاء ت رسل ربنا بالحق.

حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ سے عقیدت! حضرت باقی باللہ قدس سرہ کی تربیت گاہ میں ہم چار آدمی ایسے تھے جو تمام میں ممتاز شمار ہوتے تھے اور دوستوں کی نگاہوں میں ہمیں خاص مقام حاصل تھا۔ اپنے شیخ کی نسبت ہر ایک مختلف انداز سے اعتقاد رکھتا تھا اور ہر ایک کا معاملہ بھی جدا جدا تھا میرا یہ عقیدہ تھا کہ اس قسم کی تربیت اور صحبت سید الانبیاء جناب رسالت مآب ﷺ کے صحابہ کرام کے بعد کسی کو نصیب نہیں ہوئی میں اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کا شکریہ ادا کرتا تھا اور دل میں یقین کرتا تھا کہ اگرچہ مجھے سرکار دو عالم ﷺ کی مجالس اور صحبت کا شرف حاصل نہیں ہو سکا تاہم مجھے اس شرف اور صحبت سے محرومی نہیں رہی۔ میرے شیخ (حضرت خواجہ باقی باللہ) میرے تین ساتھیوں کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ فلاں آدمی مجھے "صاحب تکمیل" تو سمجھتا ہے مگر صاحب ارشاد نہیں سمجھتا اس کے نزدیک ارشاد کا مقام تکمیل سے بلند تر ہے پھر فرماتے فلاں آدمی میرے سلوک سے محروم ہے اور اسے رسائی نہیں ہے تیسرے کے متعلق فرمایا کرتے کہ وہ شخص تو ہماری نسبت سے انکاری ہے۔ چنانچہ ہماری طرف سے بھی ان چاروں کو ان کے اعتقاد اور عقیدت کے متعلق ہی حصہ ملا ہے۔

اپنے شیخ کی محبت میں مبالغہ! مرید اپنے شیخ اور پیر کی افضلیت کا قائل ہوتا ہے اس کے اکمل ہونے پر اسے پختہ یقین ہوتا ہے اسے اس سے عقیدت اور محبت کے ثمرات اور اچھے نتائج بھی حاصل ہوتے ہیں اس سے افادہ اور استفادہ دونوں چیزیں میسر ہوتی ہیں۔ لیکن یہ خیال رہے کہ ایک مرید کو اس حد تک مبالغہ نہیں کرنا چاہیے کہ اپنے پیر کو ان حضرات سے بھی فضیلت دیتا رہے جن کی بزرگی اور عظمت شریعت میں واضح ہے یہ بات محبت میں افراط کا باعث بنتی ہے۔ شیعہ حضرات کی سب سے بڑی خرابی یہی ہے کہ وہ اہلبیت کی محبت میں غلو کرتے ہوئے صحابہ رسول رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مراتب اور مقامات کو نظر انداز کر جاتے

ہیں اسی طرح نصاریٰ عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے افراط محبت کے جذبے میں آپ کو خدا کا بیٹا بنا جاتے ہیں اس طرح کے نظریات والے ابدی خسارے سے دوچار ہوتے ہیں ہاں ان حضرات کے علاوہ اگر کسی بزرگ کو شرعی طور پر بلند مقام حاصل نہیں ہے تو اپنے پیر کی فضیلت بیان کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے ہم ایسے حضرات کو طریقت میں بہترین عقیدت کیش تصور کرتے ہیں ایسی فضیلت مرید کے اپنے بس کی بھی بات نہیں ہوتی ۔ اگر مرید صاحب استعداد ہے تو اسے بے اختیار اپنے شیخ کی فضیلت کا اعتراف کرنا پڑتا ہے وہ اسی جذبہ سے کمالات کی منزلیں طے کرتا جاتا ہے اگر ایسی فضیلت ایک مرید بلاوجہ قائم کرے یا بلا دلیل عظمت بیان کرتا جائے تو اس پر صداقت مشتبہ ہو جائے گی اور اسے اس تکلف پر وہ ثمرات نہیں ملیں گے جس میں اس کا حصہ ہے اس سلسلہ میں کوئی نتیجہ نہیں نکلتا۔

نفی اور اثبات کیا ہے؟! کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللّٰہ نفی اور اثبات کا ایک بلند ترین مقام ہے ۔عقل ونظر کشف ومشاہدہ میں جو کچھ حاصل ہوتا ہے وہ محض بے کیف ہو کر رہ جاتا ہے جب تک لا (یعنی نفی) کے تحت داخل نہ کیا جائے اثبات کی جانب اللہ کو قلب کو موافقت سے آگے بڑھا جاتا ہے اور اسی مقام کو نفی اور اثبات کہا جاتا ہے۔

عنقا شکار کس نشود دام باز چنیں!

حقیقتِ قرآنی ۔حقیقتِ کعبہ اور حقیقتِ محمدی! ہمارے نزدیک حقیقت قرآنی اور حقیقت کعبہ کے درجات حقیقت محمدی سے بلند تر ہیں دوسرے لفظوں میں حقیقت قرآنی حقیقت محمدی کی امام ہے۔اسی طرح حقیقت کعبہ ربانی کا درجہ حقیقت قرآنی سے اوپر ہے ۔جس طرح حقیقت قرآنی حقیقت محمدی کی مسجود ہے اسی طرح حقیقت قرآنی حقیقت ربانی کے زیر سایہ ہے۔حقیقت کعبہ ربانی کا ایک مقام ہے جہاں بالکل بے صفتی اور بے رنگی کی کیفیت ہوتی ہے اس مقام پر شیونات اور اعتبارات کی کوئی گنجائش نہیں اس بارگاہ تقدس وتنزیہہ کی بھی کوئی مجال نہیں ہے۔

آنجا ہمہ آنست کہ برتر زبیان ست

یہ وہ مقام ہے جس پر اہل اللہ نے خاموشی اختیار فرمائی ہے یہ ایسی معرفت ہے جس پر اہل اللہ نے لب کشائی کرنے سے اجتناب کیا ہے۔ اشارہ کنایہ میں بھی اس پر اظہار خیال نہیں کیا یہ ایک نہایت نازک اور مشکل مقام ہے مجھے اللہ تعالیٰ نے جب اپنی معرفت عظمیٰ سے سرفراز فرمایا اور اپنے احباب میں سے ممتاز مقام ملا۔ تو مجھ پر ان مقامات کے حقائق واضح ہوگئے اب میں ارباب معنی کے لئے چند ارشارات پر اکتفا کرنا مناسب خیال کرتا ہوں۔

حقیقت محمدی کی حقیقت کعبہ تک رسائی! یہ بات ذہن نشین کرلیں جس طرح کعبہ ظاہری صورت چیزوں کی صورتوں کی مسجود ہے (ہر مخلوق کعبۃ اللہ کو سجدہ کرتی ہے) اسی طرح تمام اشیاء کے حقائق بھی حقیقت کعبہ کے سامنے سجدہ ریز ہیں۔ کعبہ اللہ مسجود خلائق بھی ہے اور مسجود حقائق بھی میں یہاں ایسا نکتہ بیان کرنا چاہتا ہوں جو آج تک نہ آپ کی نظروں سے گزرا ہوگا اور نہ پہلے بزرگوں نے اسے بیان فرمایا ہے۔ یہ نکتہ اللہ نے اپنے فضل وکرم سے مجھے بتایا ہے اور اس کا خصوصی الہام مجھ پر ہی عنایت ہوا ہے ایک ہزار سے کچھ زیادہ سال گزر گئے ہیں۔ حضور سید العالمین ﷺ کی رحلت ہوئی آج وہ وقت آ گیا ہے جب حقیقت محمدی عروج کر کے حقیقت کعبہ میں متحد ہوگئی ہے۔ آج سے حقیقت محمدی کا دوسرا نام حقیقت احمدی ہوگا اور ذات احمد کا مظہر بن جائے گا۔ یہ دونوں مبارک نام (محمد۔ احمد) حقیقت محمدی اور حقیقت کعبہ میں یکجا ہوجائیں گے حقیقت محمدی کا پہلا مقام خالی ہوجائے گا۔ اور یہ مقام اس وقت تک خالی رہے گا جب تک عیسیٰ علیہ السلام نزول نہ فرمائیں گے اور نزول فرمانے کے بعد شریعت محمدی کے مطابق عمل کریں گے اس وقت حقیقت عیسوی عروج کر کے حقیقت محمدی کی جگہ کے خلا کو پر کرے گی۔

کلمہ طیبہ کی فضیلت! اگر کلمہ طیبہ نہ ہوتا تو ہمیں بارگاہ خداوندی کی طرف راستہ نہ ملتا توحید کے چہرے سے نقاب نہ اٹھتی جنتوں کے دروازے کون کھولتا۔ صفات بشر کے بلند وبالا پہاڑ اسی ''لا'' کے تیشہ سے ہی کھودے گئے تعلقات کے بے شمار جہاں اسی لا کی نفی سے دور ہٹتے گئے اسی کلمہ طیبہ کا ایک جزو لانفی معبودان باطل کے ٹکڑے ٹکڑے کرتا ہے اسی طرح کلمہ

کا ایک جز و اثبات ذات خداوندی تک رسائی کی راہیں کھولتا ہے سالک اسی کلمہ کی مدد سے امکانی درجات کو قطع کرتا ہوا ترقی پاتا ہے عارف اسی کلمہ کی برکات سے معراج کمال پر پرواز کرتا جاتا ہے۔ یہی کلام ہے جو انسان کو تجلیات افعال سے تجلیات صفات تک پہنچاتا ہے۔ پھر تجلیات صفات سے تجلیات ذات تک راہنمائی کرتا ہے۔

تا بجاروب لا نروی راہ　　　　نرسی درسرائے الا اللہ

والسلام علی من اتبع الهدی والتزم مقابعة المصطفی علیه وعلی آله واصحابه صلوات والتسلیمات۔

معوذتین پر ایک کشف! حضرت مخدوم شیخ شرف الدین یحیٰ منیری رحمۃ اللہ علیہ اپنے مکتوبات میں لکھتے ہیں کہ معوذتین (قل اعوذ برب الفلق. قل اعوذ برب الناس) کو فرض نمازوں میں نہیں پڑھنا چاہیے کیونکہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ دونوں سورتوں کے قرآن کا حصہ ہونے میں جمہور کے مخالف ہیں۔ لہذا نماز میں جتنی قرآت فرض ہے اس میں سے ان دونوں صورتوں کی قرات کو شمار نہیں کرنا چاہیے۔ ہم بھی ان دونون صورتوں کو نماز میں نہیں پڑھا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ ایک دن کارکنان قضا وقدر نے ہم پر کشفاً ظاہر کیا کہ گویا معوذتین حاضر ہیں اور حضرت مخدوم سے فرض قرات میں ان کی قرات سے منع کر دینے کے بارے میں شکایت کر رہے ہیں کہ ہمیں قرآن سے کیوں نکال دیا گیا ہے اس وقت سے ہم اس ممانعت سے باز آئے اور فرض قرات میں ہم نے ان کی قرات شروع کر دی۔ فاتحہ کے بعد ان کو ملاتے ہیں (اور قرات کا فریضہ تو سورۃ فاتحہ سے ادا ہو چکا ہے بس سورت کا ملانا بھی ظن ہی ہوا)

والعجب من الشیخ المقتدی مثل هذ الکلام کل العَجَب والصلواة والسلام علی سیدالبَشَرِ والِهِ الاَطهَر.

لہذا بہت ہی تعجب ہے کہ ایک شیخ مقتدا سے ایسی بات کیونکر ادا ہوئی اور درود سلام ہو حضرت سید البشر ﷺ پر اور آپ کی آل اطہر ہے۔

تقلید اور اتباع کی اہمیت! صوفیہ کرام کے طریق سے ملت اسلام سے بڑا حصہ اسی

شخص کے لئے ہے جس میں تقلید کی عادت اور پیروی سب سے زیادہ ہے شریعت کا دارومدار صرف تقلید پر ہے اور اس مقام میں معاملے کا انحصار محض پیروی رسول پر ہے انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی تقلید بلند ترین درجوں تک پہنچادیتی ہے اور اصفیاء کی پیروی بڑے بڑے مقامات تک لے جاتی ہے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ میں چونکہ یہ عادت سب سے زیادہ پائی جاتی تھی۔ آپ نے بے توقف تصدیق نبوت کی سعادت میں سبقت فرمائی تھی اور صدیقوں کے رئیس بنے اور ابوجہل لعین چونکہ تقلید کی پیروی کی استعداد سے ناآشنا تھی لہذا اس سعادت سے محروم رہا اور ملعونوں کا پیشوا بنا۔

یاد رہے مرید جس کمال کو بھی حاصل کرتا ہے وہ اپنے پیر کی تقلید ہی سے کرتا ہے۔ شیخ کی غلطی بھی مرید کے ثواب اور نیکی سے بہتر ہے یہی وجہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضرت پیغمبر ﷺ کے سہو ونسیان کی آرزو کرتے ہیں اور فرماتے ہیں یٰلیتنی کنت سہو محمد (کاش میں محمد ﷺ کا سہو بن جاتا) اور حضرت پیغمبر ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا کہ سین بلال عنداللہ شین (بلال کا سین خدائے تعالیٰ کے نزدیک شین ہے) کیونکہ بلال رضی اللہ عنہ عجمی (حبشی) تھے اس لئے وہ اذان میں سین بے نقطہ کے ساتھ اسہد اللہ کہا کرتے تھے اور خدائے عزوجل کے نزدیک ان کا اسھد کہنا اشھد ہی تھا لہذا حضرت بلال کی یہ غلطی دوسروں کے صواب سے بہتر ہوگی۔

براشہد تو خندہ اسہد بلال

(ترجمہ) تیرے اشہد پر بلال کا اہد خندہ زنی کرتا ہے۔

میں نے ایک بزرگ سے سنا ہے وہ کہا کرتے تھے کہ بعض دعائیں جو مشائخ سے منقول ہیں اگر اتفاقاً ان مشائخ نے ان میں بعض دعاؤں میں کوئی غلطی بھی کردی ہے اور اسے محرف کرکے (بگاڑ کر) پڑھ دیا ہے تو اگر ان کے پیروکار ان دعاؤں کو اسی تحریف کے ساتھ پڑھتے ہیں جس کے ساتھ ان کے مشائخ نے پڑھ دیا تھا تو وہ دعائیں کامل تاثیر بخشتی ہیں اور اگر انہیں درست کرکے پڑھتے ہیں تو وہ تاثیر سے خالی رہ جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے انبیاء کی

تقلید کی اور اپنے اولیاء کی تقلید کی پیروی پر اپنے حبیب علیہ وعلی جمیع الانبیاء والمرسلین وعلی متابعھم الصلوات والتسلیمات کی عظمت و مرحمت کے طفیل ثابت قدم رکھے۔

تجلی ذات اور انبیاء کے درجات کا تفاوت ! حضرت محمد ﷺ تمام رسولوں کے سردار (سید المرسلین) ہیں علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات باقی تمام انسانوں کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے۔ اسی طرح عیسی علیہ السلام وموسی علیہ السلام و الصلوات والتسلیمات والتحیات کو اگرچہ تجلی ذات کے مقام سے بڑا مرتبہ اور استعداد حاصل ہے اور حق تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا اصطنعتک لنفسی (اور میں نے تمہیں اپنے نفس کے لئے منتخب فرمالیا ہے۔ (نہ اپنی ذات کے لئے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو "روح اللہ" اور کلمۃ اللہ ہیں اور ان کے حضور سرور عالم ﷺ باوجودیکہ تجلی صفات کے مقام پر ہیں لیکن بڑے تیز نظر ہیں وہی خاص شان جو ہمارے پیغمبر کی تجلی ذات کے مقام پر نصیب ہوئی ہے۔ اس کے باوجود دونوں میں استعداد کا تفاوت ہے لہذا اس اعتبار سے حضرت عیسیٰ اور حضرت موسی علیہما الصلواۃ والسلام سے افضل ہوجاتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اوپر ہیں وہ تیز بصر اور ناقد نظر ہیں ان کے بعد حضرت نوح علیہ السلام ہیں اور حضرت نوح علیہ السلام کا مقام اگرچہ صفات کے مقام میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے بہت اونچا ہے لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس مقام میں ایک خاص شان اور تیزی نظر حاصل ہے جو کسی دوسرے کو نصیب نہیں ہے لیکن ان کی اولاد کرام کو بھی اس مقام میں بوجہ پیروی کرنے اور اولاد ہونے کے حصہ ملا ہے اور حضرت آدم علیہ السلام کا درجہ بھی حضرت نوح علیہ السلام کے بعد ہے ہمارے نبی (ﷺ) اور تمام انبیاء (علیہم السلام) پر درود اور سلام ہوں۔ یہ ان معلومات میں سے ہے جو مجھے رب نے سکھائی ہیں اور جن کا اس نے مجھ پر اپنے فضل وکرم سے الہام فرمایا ہے۔ اور پورا علم تو اللہ سبحانہ تعالیٰ کے پاس ہی ہے۔

سیر اجمالی کا درجہ سیر تفصیلی سے بلند ہے! جس سالک کی سیر اسماء وصفات کی تفصیل میں واقع ہوگئی ہے کیونکہ اسماء وصفات کی تو کوئی انتہا ہی نہیں کہ ان کو طے کرنے کے بعد سالک منتہائے مقصود تک پہنچ سکے مشائخ نے اسی مقام کے متعلق بتایا ہے کہ مراتب وصول کی کوئی انتہا نہیں ہے کیونہ محبوب کے کمالات لامتناہی ہیں اور اس جگہ وصول سے مراد وصل اسمائی اور صفاتی ہی ہے سعادت مند وہی سالک ہے جس کی سیر اسماء اور صفات میں اجمالی طریقہ پر واقع ہو اور وہ تیزی کے ساتھ بارگاہ ذات تعالیٰ وتقدس میں واصل ہو جائے۔

کیا وصول نہایت کے بعد رجوع لازم ہے! واصلان ذات کو آخری نقطہ وصول (یعنی نہایت النہایت) تک پہنچنے کے بعد دعوت وارشاد کے ساتھ واپس آنا لازمی ہوتا ہے۔ اس مقام سے نہ لوٹنے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا یہ ان متوسط حضرات کے برخلاف ہے جنہیں اپنی استعداد کی انتہا تک پہنچ جانے کے بعد واپس آنا لازمی نہیں ہوسکتا ہے کہ وہ واپس آجائیں اور (یہ بھی) ہوسکتا ہے کہ وہ وہیں قیام کرنا قبول کرلیں۔ لہذا منتہی حضرات کے وصول کے مراتب کے لئے تو تکمیل واتمام کا تصور کیا جاسکتا ہے بلکہ لازم ہے لیکن متوسط درجہ کے حضرات کے لئے جو آسمانی وصفاتی تفصیل میں چلے گئے ہیں (وصول کے مراتب کی) کوئی انتہا نہیں ہے (کہ وہاں پہنچ کر وہ تکمیل حاصل کرلیں) یہ علم ان مخصوص علوم میں سے ہے جو خاص اس فقیر (مجدد الف ثانیؒ) کو عطا ہوئے ہیں اور صحیح علم تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے پاس ہی ہے۔

مقام رضا! مقام رضا۔ تمام مقامات ولایت سے اوپر ہے اور اس بلند مقام کا حصول سلوک اور جذبہ کی تکمیل کے بعد ہوتا ہے۔

سوال! اگر لوگ دریافت کریں کہ ذات حق سبحانہ اور صفات حق تعالیٰ اور افعال حق سبحانہ سے رضا تو واجب ہے اور خود ایمان ہی میں ملحوظ ہے لہذا عام مسلمانوں کو بھی اس سے چارہ نہیں ہے تو سلوک بھی جذبہ کی تکمیل کے بعد اس کا حاصل ہونا کیا معنی رکھتا ہے۔؟

جواب! اس کے بعد ہم کہیں گے کہ رضا کی ایک خاص صورت ہوتی ہے اور ایک

حقیقت ہوتی ہے اسی طرح جیسا کہ باقی ارکان ایمان کی صورت اور حقیقت ہوا کرتی ہے ابتدائی حالات میں صورت کا تحقق ہوتا ہے اور انتہا میں حقیقت کا تحقق ہوتا ہے جب آدمی سے کوئی بات رضا کے خلاف ظاہر نہ ہو تو ظاہر شریعت فیصلہ کر دیتی ہے کہ اس شخص کو رضا حاصل ہے تصدیق قلبی کی طرح جب تصدیق کی منافی کوئی بات نہ پائی جائے تو حصول تصدیق کا فیصلہ کر دیتے ہیں لیکن ہم (سالکین و عارفین) جس چیز کے در پے ہیں وہ حقیقت رضا کا حصول ہے محض ظاہری صورت کا نہیں اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ سب سے زیادہ جاننے والا ہے۔

اتباع سنت کی تلقین احتراز از بدعت! کوشش کرنی چاہیے کہ سنت پر عمل ہو اور بدعت سے بچیں۔ خصوصاً ایسی بدعت ہے جو سنت کو ختم کر دینے والی ہو۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے من احدث فی دنیا ھذا فھو رد۔ (یعنی جو شخص ہمارے اس دین میں کوئی نئی بات داخل کر دے تو وہ قابل رد ہے) ایسے لوگوں کے حال پر تعجب ہوتا ہے جو دین میں نئی نئی چیزیں پیدا کرتے ہیں۔ حالانکہ دین ہر طرح مکمل ہو چکا ہے اور وہ پایہ تکمیل کو پہنچ چکا ہے اور جو لوگ نئی چیزوں (محدثات) کے ذریعہ سے تکمیل دین کی تلاش کرتے ہیں انہیں یہ اندیشہ نہیں ہو کہ خدانخواستہ اس نو ایجاد (مخترع) بات کی وجہ سے کہیں سنت کی نفی (ختم) نہ ہو جائے۔ مثلاً عمامہ کا شملہ دونوں بازوؤں کے درمیان چھوڑنا سنت ہے لیکن بہت سے لوگوں نے شملہ کو بائیں طرف چھوڑنا اختیار کر لیا ہے اور اپنے اس عمل سے انہیں مردوں کے ساتھ تشبہ (مشابہت) اختیار کرنا منظور ہوتا ہے اور بے شمار لوگ اس فعل میں ان کی پیروی کر رہے ہیں۔ وہ اتنا نہیں سمجھتے کہ ان کا یہ عمل سنت کی نفی کر رہا ہے اور سنت سے ہٹا کر انہیں بدعت میں مبتلا کر رہا ہے اور بالآخر حرمت تک پہنچا دیتا ہے۔ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تشبہ (مشابہت) اختیار کرنا بہتر ہے یا مردوں کے ساتھ؟ حضور اکرم ﷺ ہی تو ہیں جو ایسے وصال سے مشرف ہو چکے ہیں جو موت سے بھی پہلے ہوتا ہے اگر وہ لوگ مردہ کے ساتھ تشبہ کے متلاشی ہیں تب بھی ان کو حضور انور ﷺ کے ساتھ تشبہ ہی سزاوار ہو سکتا ہے یہ عجیب معاملہ ہے کہ میت کے کفن میں خود عمامہ پہنانا بھی بدعت ہے چہ جائیکہ اس کا شملہ چھوڑا جائے

اور بعض علمائے متاخرین نے جو میت کے کفن میں عمامہ دینے کو، جب کہ میت علمائے دین میں سے ہو مستحسن قرار دیا ہے ہمارے نزدیک تو کفن کی مسنون مقدار بھی زیادتی کرنا نسخ یعنی سنت کو بدلنا ہے اور اصل سنت کو بدلنے کا مطلب سنت کو چھوڑ دینا ہے اللہ سبحانہ ہمیں حضرت محمد ﷺ کی بلند سنت کی پیروی پر ثابت قدم رکھے۔ **علی مصدرھا الصلوۃ والسلام** اور خدائے تعالیٰ اس بندہ پر اپنا رحم فرمائے جو میری اس دعا پر آمین کہے۔

سرہند کے بازاروں میں جنات کی آمد! ایک دن جنات کے حالات کو اس فقیر پر منکشف فرمایا گیا۔ میں نے دیکھا کہ جنات گلی کوچوں میں انسانوں کی طرح ہی گھوم پھر رہے ہیں اور ہر جن کے سر پر ایک فرشتہ مقرر ہے اور وہ جن اس مقررہ فرشتہ کے ڈر سے اپنا سر بھی نہیں اٹھا سکتا۔ اور اپنے دائیں بائیں دیکھنے کی جرات نہیں کرتا تھا وہ قیدیوں کی طرح گھوم پھر تو رہے تھے مگر قطعاً کسی مخالفت کی مجال نہیں رکھتے تھے۔ بجز اس کے کہ میرا پروردگار ہی کسی چیز کو چاہے اور اس وقت میں نے کچھ ایسا دیکھا کہ موکل (مقررہ فرشتہ) کے ہاتھ میں لوہے کا ایک گرز ہے کہ اگر کوئی جن ذرا سی مخالفت کا خیال بھی کرتا تو ایک ہی ضرب سے اس کا کام تمام کر دیتا۔

خدائے کہ بالا و پست آفرید　　　زبردست بر زیردست آفرید

بعض ولیوں کو نبی پر جزئی فضیلت ہوتی ہے! ولی جو کمال بھی حاصل کرتا ہے اور جس درجہ تک بھی پہنچتا ہے وہ اپنے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیروی کے طفیل میں پہنچتا ہے۔ اگر نبی کی متابعت اور پیروی سے ہٹ جائے تو ایمان سے بھی محروم ہو جاتا ہے۔ بلند ترین درجات تک پہنچنا تو بڑی بات ہے لہٰذا اگر ولی کو چند جزئی فضیلتوں میں سے کوئی ایسی فضیلت حاصل ہو جائے جو نبی میں نظر نہیں آتی اور اس ولی کو بلند درجات میں سے کوئی خاص درجہ میسر ہو بھی جائے جو نبی کو میسر نہیں تھا پھر بھی یقیناً نبی کو بھی اس جزئی فضیلت اور اس خاص درجہ سے پورا پورا حصہ حاصل ہوتا ہے کیونکہ ولی میں اس کمال کا حصول تو اس نبی کی پیروی ہی کے واسطہ سے ہے اور یہ سب کچھ اس نبی کی اتباع سنت کے نتائج ہی کا ایک حصہ ہے پس لامحالہ نبی کو اس

کمال سے مکمل حصہ حاصل ہوگا۔ جیسا کہ حضورانور ﷺ کا ارشاد ہے۔

مَن سَنَّ سُنۃ حَسَنۃ فلہ اجرُھا واَجرُ مَن عَمِلَ بھَا (جس کسی نے کسی اچھے طریقے کی بنیاد رکھ دی تو اسے خود اس کا ثواب بھی ملتا رہے گا اور تمام لوگوں کے برابر بھی ثواب ملے گا جو اس طریقے پر عمل کریں گے) ایسا ولی اس کمال کے حصول میں پیشرو ہوگا اور اس درجے تک پہنچنے میں مقدم ہوگا۔ اور ولی کی نبی پر اس قسم کی فضیلت حاصل ہونے کو علماء نے جائز قرار دیا ہے کیونکہ یہ جزئی فضیلت ہے جو کلی فضیلت کے مقابلہ میں ہیچ ہے اور جو صاحب فصوص الحکم حضرت محی الدین ابن عربی نے فرمایا کہ خاتم انبیاء (ﷺ) علوم و معارف کو خاتم الولایت سے حاصل فرماتے ہیں تو وہ بھی اسی معرفت کی بات کرتے ہیں۔

الحمدللہ مجھے بھی اس معرفت کے ساتھ ممتاز فرمایا گیا ہے اور یہ اسرار شریعت کے موافق ہے اور فصول الحکم کے شارحون نے اس بات کو صحیح قرار دینے کے لئے تکلف اختیار کیا ہے اور کہا ہے کہ خاتم الولایت دراصل خاتم النبوت کا خزینہ دار اور خزانچی ہوتا ہے۔ اگر بادشاہ خود اپنے خزانہ سے کوئی چیز لیتا ہے تو (ظاہر ہے خزانچی ہی سے لے گا) اس سے بادشاہ کے میں کوئی نقص لازم نہیں آتا، ہمارے نزدیک (اس تکلف کی ضرورت نہیں ہے) حقیقت واقعہ وہی ہے جو میں نے تحقیق کر کے بیان کر دیا ہے اور اس تکلف کا منشا محض یہ ہے کہ وہ لوگ معاملہ کی حقیقت تک پہنچ سکے۔ اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ تمام حقائق امور کو سب سے زیادہ جاننے والا ہے اور درود و سلام ہو سید البشر ﷺ اور آپ کی آل اطہر پر۔

ولی کی ولایت، نبی کی ولایت ہی کا حصہ ہوتی ہے! ولی کی ولایت اپنے نبی علیہ السلام کے اجزائے ولایت کا ایک حصہ ہوتی ہے۔ ولی کو کتنے ہی بلند ترین درجات نصیب ہو جائیں وہ سب درجات اس نبی کے درجات میں سے ایک جزو ہی ہوں گے۔ جزو کتنی ہی عظمت پیدا کر لے کل سے کمتر ہی ہوتی ہے کیونکہ (الکُلُّ اَعظَمُ مِنَ الجزءِ) (یعنی کل جز سے بڑا ہی ہوتا ہے) قضیہ بدیہی ہے۔ کوئی احمق ہی ہوگا جو کسی جزء کی بڑائی کا خیال کر کے اسے کل سے زیادہ کہے گا۔ کیونکہ کل کے تو معنی ہی یہ ہیں کہ دوسرے اجزا کے علاوہ اس

میں یہ جزو بھی موجود ہے۔

صفات باری تعالیٰ کی تین قسمیں! صفات واجبی .تَعَالَت وَتَقَدَّست ۔تین قسم ہیں۔قسم اول,صفات اضافیہ ہیں جیسے خالق ہونا,رازق ہونا,اور قسم دوم صفات حقیقیہ ہیں لیکن وہ اپنے اندر اضافت کا ایک رنگ رکھتی ہیں جیسے علم,قدرت,ارادہ,سمع,بصر اور کلام اور قسم سوم حقیقت محض ہے جیسے حیات۔پس اس میں اضافت کا کوئی امتزاج نہیں ہے اور اضافت سے ہماری مراد,عالم یعنی دنیا کے ساتھ تعلق ہونا ہے اور تیسری قسم تینوں قسموں میں سے سب سے اعلیٰ اور تمام اقسام کی جامع ترین ہے اور امہات صفات میں سے ہے۔صفت علم اپنی جامعیت کے باوجود صفت حیات کی تابع ہے اور صفات اور شیونات کا یہ دائرہ صفت حیات پر ختم ہو جاتا ہے اور مطلوب تک رسائی حاصل کرنے کا دروازہ بھی یہی صفت ہے اور چونکہ صفت حیات کا درجہ صفت علم سے اوپر ہے اس لئے لامحالہ اس مقام تک رسائی بھی علم کے مراتب کو طے کر لینے کے بعد ہی ہوگی۔خواہ وہ علم ظاہر ہو یا علم باطن خواہ علم شریعت ہو یا علم طریقت اور جو لوگ اس دروازہ میں داخل ہوتے ہیں وہ بہت ہی کم (کم سے بھی کم تر) ہیں گلیوں اور کوچوں کے پیچھے سے لوگ اپنی نگاہیں اندر ڈال لیتے ہیں۔(خود اندر نہیں پہنچ سکتے) اور ایسے لوگ بھی بہت ہی کم ہیں اگر میں اس مقام کے اسرار میں سے کوئی راز بھی بیان کروں تو میری گردن اڑا دی جائے۔

وَمِن بَعدِ هَذا ما يَدِقُّ صِفَاتُه

وَمَا كَمه اَحظىٰ لَدَيهِ وَاجمَل

اور سلامتی ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے اور حضرت محمد ﷺ کی پیروی کو لازم جانے علیه وعلى آله والصلوٰة والسلام۔

خدا کی مثل نہیں ہوسکتا اس کی مثال ہوسکتی ہے! حضرت سبحانہ وتعالیٰ "مثل" سے منزہ ہے۔لَيسَ كَمِثلِه شَيءٌ۔(اس کے مثل جیسی کوئی چیز بھی نہیں ہے) لیکن علماء نے "مثال" اور "مثل" کو جائز رکھا ہے وللهِ المَثلِ الاعلیٰ (اور اللہ کے لئے بلند ترین مثال

ہے، یا اللہ کی تو بلند ترین شان ہے) ارباب سلوک اور ارباب کشف کو مثال ہی سے تسلی دیتے ہیں اور خیال سے آرام بخشتے ہیں بے چون کو چون کی مثال سے ظاہر کرتے ہیں وجوب (ذات واجب) کو امکان کی صورت میں جلوہ گر کرتے ہیں بیچارہ سالک مثال کو صاحب مثال کا عین سمجھ لیتا ہے اور صورت کو صاحب صورت کا عین خیال کر لیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ حق سبحانہ وتعالیٰ کے احاطہ کی صورت کو تمام چیزوں میں دیکھتا ہے اور اسی احاطہ کی مثال کا تمام دنیا میں مشاہدہ کرتا ہے اور وہ خیال کر لیتا ہے کہ جو چیز نظر آ رہی ہے وہ احاطہ حق سبحانہ کی حقیقت ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ حق تعالیٰ کا احاطہ تو بے چون اور بیچگون ہے اور اس سے منزہ و پاک ہے کہ وہ نگاہ یا (مشاہدہ) میں آ سکے اور کسی پر ظاہر ہو جائے اور ہم اس پر ایمان رکھتے ہیں کہ حق سبحانہ وتعالیٰ ہر چیز کو محیط ہے۔ لیکن ہم اس کے اس احاطہ کو نہیں جانتے کہ وہ کیا ہے؟ اور جو کچھ ہم جانتے ہیں وہ اس احاطہ کی شبیہ اور مثال ہے اور حق تعالیٰ کے قریب اور اس کی معیت کو بھی اسی پر قیاس کرنا چاہیے کہ جو کچھ مشاہدہ اور کشف میں آتا ہے وہ ان کی شبیہ اور مثال ہیں اس کی حقیقت نہیں ہے۔ بلکہ ان تمام باتوں کی حقیقت کی کیفیت نامعلوم ہے ہم اس پر ایمان لاتے ہیں کہ حق تعالیٰ قریب ہے اور ہمارے ساتھ ہے لیکن ہم یہ نہیں جانتے کہ حق تعالیٰ کے اس قرب اور معیت کی حقیقت کیا ہے' اور بہت ممکن ہے کہ جو کچھ حدیث نبوی علیه وعلى آله الصلوات والتسليمات میں آیا ہے کہ "یتجلّیٰ رَبُّنا ضَاحِکًا" (یعنی پروردگار ہنستے ہوئے تجلی فرمائیگا) وہ صورت مثالی کے اعتبار سے ہو۔ کیونکہ کمال رضا وخوشنودی کا حاصل ہونا مثال ہے ہنسنے کی صورت میں ہی دکھایا جاتا ہے اور ہو سکتا ہے کہ ہاتھ چہرہ، قدم اور انگلی کا اطلاق بھی مثالی صورت کے اعتبار سے ہو۔ میرے پروردگار نے مجھے ایسی ہی تعلیم دی ہے اور خدا اپنی رحمت کے ساتھ جسے چاہتا ہے مخصوص فرما لیتا ہے اور اللہ بڑے ہی فضل والا ہے اور اللہ کی رحمتیں نازل ہوں ہمارے آقا محمد ﷺ پر اور آپ کی آل اور اور سلامتیاں اور برکتیں بھی نازل ہوں

ایک گزارش! احوال و وجدانات اور علوم و معارف کو بیان کرنے کے سلسلہ میں اگر

اس راقم کی عبارت میں کوئی تناقض یا اختلافات معلوم ہو تو اسے اوقات کے مختلف ہونے اور حالات وکیفیات سے جداگانہ ہونے پر محمول کرنا چاہیے ۔ کیونکہ ہر وقت احوال اور وجدانات مختلف ہوتے ہیں اور ہر حالت وکیفیت کے علوم ومعارف جداگانہ ہوتے ہیں ۔لہذا در حقیقت یہ کوئی تعارض یا اختلاف نہیں ہوتا اس کی مثال احکام شرعیہ کی مثال کی طرح ہے کہ وہ منسوخ اور تبدیل ہونے کے بعد متضاد احکام نظر آتے ہیں لیکن جب اوقات اور حالات کے اختلاف کو نظر میں رکھا جاتا ہے تو وہ تناقض اور اختلاف دور ہو جاتے ہیں اور اس میں اللہ تعالیٰ سبحانہ کی بڑی حکمتیں اور مصلحتیں ہیں ۔لہذا تم شک کرنے والوں میں سے نہ بنو۔ اور اللہ تعالیٰ رحمتیں نازل فرمائے ہمارے آقا محمد ﷺ اور آپ کی آل پر اور سلام اور برکتیں بھی نازل فرمائے۔